قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

نومبر سنہ 95ء

المرشد

اویکیشنل سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

اداریہ

صبر

ہماری عامیانہ سوچ کے مطابق صبر کو ایک ہی معنی میں لیا جاتا ہے کہ اگر بے بسی کی حالت پیدا ہو جائے تو اپنے ہر فعل اور اس کے نتائج کو اللہ کے کھاتے میں ڈال کر خود بے بس ہو کر بیٹھ جاؤ۔ جب کہ صبر کے معنی یہ نہیں ہیں اور نہ ہی ہونا چاہئے۔ زندگی کا تو ہر فعل یا ہر حالت کسی دوسرے فعل یا حالت سے متعلق ہوتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ زندگی کا سارا چلر بھی ایک اضافی معاملہ ہے۔ اس لئے صبر کے معنی بھی حالات اور نتائج کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ البتہ اس کے معنی بے بس ہو کر بیٹھنا ہرگز نہیں۔ ہر کچا پکا مسلمان قرآن پر ایمان ضرور رکھتا ہے اور جس قرآن پر وہ ایمان رکھتا ہے اسی قران میں اللہ کریم نے ۱۰۴ سے زائد آیات میں صبر کی تلقین' صبر کی خوبیاں اور اس کے نتائج اور اجر کا ذکر فرمایا ہے۔ صبر کے عمل کے ساتھ ساتھ چند خوبیاں لازمی کر دی ہیں۔ وہ یہ کہ صبر کرنے والے لوگ پر عزم اور مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ صبر کے لئے مثبت سوچ لازمی ہے اور صبر کا اجر اللہ کریم ضرور دیتا ہے۔ صبر کا اجر نہ دینا اللہ کے اوصاف میں شامل ہی نہیں **(واصبر فان اللہ یضع اجر المحسنین۔)**

صرف اسی حوالے سے اگر ہم اپنا تجزیہ کریں تو ہماری مسلمانی کہاں اور ہمارا ایمان کہاں؟ ہمارے نوجوان بغیر محنت اور پڑھے ڈگری لینا چاہتے ہیں۔ مسلمان قوم کی اکثریت مستقل مزاجی اور صبر کے ساتھ جائز ذرائع سے رزق حلال کمانے کے بجائے ہر ناجائز ذریعے کو اپنائے ہوئے ہیں۔ قتل اور قوم فروشی کی دولت کمانے کے ذرائع میں شامل ہو چکے ہیں۔ ذاتی عناد و انتقام ہمارے حکمرانوں اور سیاست دانوں کا کردار بن چکا ہے۔ زندہ رہنے کے ایسے ذرائع اور طریقے جن میں صبر کا عنصر نہ ہو وہ ذاتی' اجتماعی اور قومی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم نے قرآن کا ورد کر کے اسے بخشش کا ذریعہ بنا لیا ہے مگر اسی قرآن میں ایسی ایسی عوامی ہدایات جس سے ہر شخص کی زندگی' ہر وقت اور عام حالت میں متاثر ہوتی ہے ان کے سمجھنے اور اپنانے کی زحمت تک نہیں کرتے۔ شاید ہمیں قرآن کو عملی طور پر کتاب ہدایت تسلیم کرنے کے لئے کافی صبر کرنا پڑے گا۔ نہ جانے کس نے' کس مصلحت یا کس سازش کے تحت مسلمان قوم کی سوچ اور ایمان میں صرف ورد سے بخشش کا نظریہ داخل کر دیا ہے؟

تاج رحیم

کتاب ہدایت

مولانا ملک محمد اکرم اعوان

رب جلیل نے اس وسیع کائنات میں بے حد و حساب نعمتیں پیدا فرمائی ہیں اور انسان اس کائنات کا حاصل ہے۔ اللہ کی تخلیق کا شاہکار ہے ۔ اللہ کریم نے سب سے بڑی نعمت جو اس کائنات میں عطا فرمائی ہے وہ ہدایت کے ذرائع اور واسطے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا انعام انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت اور کتب سماوی کا نزول ہے۔ اس نے اپنی مخلوق کو اس قابل سمجھا کہ اس سے خود ہم کلام ہوا' اپنی کتابیں نازل فرمائیں' اپنی طرف سے نبی اور رسول علیہم السلام مبعوث فرمائے اور بندوں کو اپنی طرف ہدایت کے راستے' وسائل اور ذرائع مہیا فرمائے۔ لیکن اس سے بڑا' انتہائی احسان جس کی قیمت یا قدر کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا وہ آخری کتاب اور اللہ کا آخری رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ سورۃ فاطر کی ان آیات میں اسی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

رمضان المبارک اللہ کے بے شمار انعامات کا سبب ہے اور نزول قرآن و بعثت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری کائنات پوری انسانیت کے لئے بہت بڑا انعام ہے۔

وَ الَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ هُوَالْحَقُّ۔ فرمایا میں نے جو کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دی وہ ساری انسانیت کی رہنمائی کے لئے' ساری انسانی معاش' ساری انسانی زندگی' ساری انسانی تہذیب' سارے انسانی تمدن' سارے انسانی معاملات' اخلاقیات' حکومت' سلطنت بیع و شراء' کاروبار' گھر کے ذاتی و قومی' ملکی و بین الاقوامی تمام امور پر آخری اور حتمی فیصلہ دے دینے والی کتاب ہے۔ کتنی عجیب بات ہے انسان بدل گئے' انسانوں کی نسلیں بدل گئیں' صدیاں بدل گئیں' زمانے بدل گئے' موسم بدل گئے' تاریخ بدل گئی' انسانوں کے زمین کے جغرافئے بدل گئے۔ کہیں جہاں دریا تھے وہاں صحرا ہو گئے' جہاں صحرا تھے وہاں دریا بن گئے' کہیں پہاڑ تھے وہ اڑ گئے زلزلوں سے تباہ ہو گئے اور گہری گھاٹیاں اور کھائیاں بن گئیں' کہیں کھائیاں تھیں وہ بھر گئیں' زمین ہموار ہو گئی' لاکھوں کروڑوں انقلابات آئے' تعلیم کے نئے نئے راستے کھلے' ایجادات کے نئے نئے راستے کھلے' انسانی ضروریات اور ان کی تکمیل کے ذرائع بدلتے رہے لیکن انسانی ضروریات اور ان کی تکمیل کے وہ اصول جو اس کتاب نے متعین فرما دیئے۔ وہ ہر حال میں' ہر دور میں اور ہر عہد میں حق ثابت ہوئے۔ ان میں کسی ترمیم کی ضرورت پیش نہ آئی۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ایک انسان کی زندگی کے بے شمار شعبے ہیں۔ ان میں سے آپ ایک شعبہ لے لیجئے صحت کا۔ اب صحت کے ایک شعبے پہ کتنے مضامین ہیں ایلوپیتھی کا الگ ہے' ہیومیوپیتھی کا الگ ہے' طب یونانی کا الگ ہے۔ اب یہ تین بڑے بڑے شعبے اس ایک شعبے سے آگے بن

گئے۔ ان تینوں کی کتابوں کو آپ شمار نہیں کر سکتے کہ جی بس میں نے جو کتابیں لکھی ہیں وہی کافی ہیں۔ اس موضوع پہ دنیا جہاں کی لائبریریاں، دنیا جہاں کے ریسرچ سنٹر، دنیا جہاں کے کالج و سکول کتابوں سے بھر گئے اور مسئلہ ہنوز تشنہ ہے۔ یعنی کسی نے حتمی اور آخری علاج نہ بتایا کہ کھانسی کا یہ علاج آخری علاج ہے۔ اس کے بعد کسی اور کی کوئی ضرورت نہیں۔ کوئی نہ کہہ سکا کہ بخار کا یہ آخری علاج ہے یا فلاں تکلیف کا یہ حتمی یقینی علاج ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ نئی دریافت سامنے آتی گئی۔ لیکن یہ کیسی کتاب ہے کہ صحت سے لے کر سیاست تک ہر چیز کو اس نے سمو لیا اور جو جواب دیا وہ آخری اور حتمی ہے۔ فرمایا کوئی معمولی کتاب نہیں ہے محض اسے تم فرمان الٰہی کہتے رہو اور اس کی اہمیت و عظمت کو سمجھنے کی کوشش نہ کرو تو یہ ناقدری کی بات ہے۔ بلکہ اب تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اللہ کی باتیں اللہ ہی جانیں ہمیں اس میں مداخلت ہی نہیں کرنی چاہئے۔ یہ جان چھڑانے کا سب سے آسان طریقہ ہے۔ اللہ کی باتیں آپ کے لئے ہیں، میرے لئے ہیں، نبی آدم کے لئے ہیں۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت بہت بڑا انعام تھا میرا، بہت بڑا وہ ہستی جس کی ایک توجہ کو انبیاء و رسل علیہم السلام ترستے ہیں۔ اسے کامل تمہارے لئے مبعوث فرمایا، مجسم ظہور ہوا اس کا اور تمہیں براہ راست اس کا کلمہ نصیب ہو گیا کہ تا قیامت تم کہتے رہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔" تھے نہیں کہتے۔ جو خوش نصیب اس وقت موجود تھے انہوں نے بھی یہی کہا "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں" اور اس "ہیں" میں وہ ابدیت سمو دی کہ ہمیشہ، ہر زمانے میں ہر جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی رسول ہیں۔ ہم آج بھی کہتے ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا میرا یہ احسان کہ میں نے اس ہے کو تھے میں بھی نہیں بدلا۔ میں نے تمہارے لئے اس میں ابدیت سمو دی۔ ہمیشہ تمہارا وہی رسول ہے، براہ راست، تم میں سے ہر ایک کا۔ یعنی تم میں سے ہر ایک کے لئے میں نے کتاب نازل فرمائی اور تم میں سے ہر ایک کے لئے میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر دیا۔ اور فرمایا ایسی عجیب کتاب کہ نہ صرف حالات حاضرہ کو زیر بحث لاتی ہے بلکہ آدم علی نبیا و علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے آسمانی صحیفے یا کتابیں نازل ہوئی، جو جو حقائق انہوں نے بیان فرمائے، وہی حقائق ہو بہو ارشاد فرما دیتی ہے۔ وہ کتابیں گم ہو گئیں، ان کے حقائق گم ہو گئے، لوگوں کی یاداشت سے محو ہو گئے، علماء سے کھو گئے لیکن اس کتاب نے تاریخ انسانیت کو آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک پھر سے روشن کر دیا اور ان حقائق کو جن حقائق کی نسبت آدم علیہ السلام کو کامیابی نصیب ہوئی، ان کی امت کو کامیابی نصیب ہوئی یا ابراھیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، نوح علیہ السلام، عیسیٰ السلام یا کسی بھی نبی کے امتی کو قرب الٰہی نصیب ہوا۔ وہ عقائد، وہ نظریات، وہ حقائق من و عن اس کتاب نے بیان فرما کر ان کی تصدیق کر دی اور یوں انہیں دنیا کے گم شدہ گوشوں میں تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ ایسا جامع طریقہ تمہیں عطا فرمایا کہ تمام امم سابقہ کی عبادات و اذکار اس میں سمو دیئے اور تم سب سے بہترین امت قرار پائے۔

پھر اس کتاب نے یہیں پہ بس نہیں کی۔ تخلیق آدم سے ذکر شروع کیا اور میدان حشر اور جنت اور دوزخ کے داخلے تک تمہاری رہنمائی کرتی چلی گئی اور ایک ایک حقیقت الگ الگ بیان کر دی۔ اس لئے کہ۔ اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ۝ اللہ اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے۔ ان کی ضرورتوں کو جانتا ہے، ان کی باتوں سے واقف ہے، ان کے حال کو دیکھ رہا ہے۔ خبیر بھی ہے، بصیر بھی۔ اس نے اپنی طرف سے اتنا عطا فرمایا کہ تم شمار نہیں کر سکتے۔ اور پھر فرمایا میرا احسان دیکھو میں نے یہ کائنات تمہارے لئے بنائی، میں نے تمہیں صحت، زندگی، حیات، عقل و خرد،

شعور، علم و آگہی، مال و دولت، اولاد کیا کیا نعمتیں عطا فرمائیں اور پھر مسلمانوں کو فرمایا تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ج

میں نے اپنے بندوں میں سے جن کو چن لیا انہیں اس کتاب کا وارث قرار دیا، انہیں کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی، انہیں مسلمان ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ احسانات تو میرے ویسے بھی بے شمار تھے لیکن ساری مخلوق میں سے میں نے تمہیں اسلام کے لئے چن لیا۔ قبولیت ایمان کی توفیق انتخاب الٰہی پر ہے۔ ہر مسلمان ساری مخلوق میں سے اللہ کا برگزیدہ، منتخب شدہ اور پسندیدہ بندہ ہے۔ لیکن فرمایا کتنی عجیب بات ہے۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کہ تم میں سے ایسے لوگ نکل آئے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں، اللہ کی ناشکری کرتے ہیں، اللہ کی اطاعت نہیں کرتے۔ یہ سارے احسانات چھوڑ کر ہوائے نفس کے پیچھے بھاگتے ہیں، شیطان کا کہا مانتے ہیں، دنیا کی خاطر آخرت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ بڑا ظلم ہے جو یہ لوگ اپنے آپ پہ کرتے ہیں۔ فرمایا میری نافرمانی سے میرا تو کچھ نہیں بگڑے گا، اللہ کی عظمت کو تو کوئی آنچ نہیں آئے گی، اس کی شان اور اس کی الوہیت پر تو کوئی حرف نہیں آئے گا۔ لیکن اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ اپنا نقصان کرتا ہے۔

آپ نے دیکھا پچھلے جمعہ بھی بات ہو رہی تھی کہ رمضان شریف میں مساجد بھر جاتی ہیں۔ کیا لوگ نیک ہو جاتے ہیں؟ نہیں، ہم نیک نہیں ہوتے ہم ویسے ہی رہتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم اکیلے ہو جاتے ہیں، شیطان قید ہو جاتے ہیں۔ رمضان شریف کی برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جیسے ہی رمضان شریف کا چاند طلوع ہوتا ہے تو چھوٹا بڑا ہر شیطان شوال کا چاند طلوع ہونے تک باندھ دیا جاتا ہے، قید کر دیا جاتا ہے۔ یہ مہینہ بھر جو چہل پہل رہتی ہے یہ اس لئے نہیں کہ لوگ نیک ہو جاتے ہیں۔ دراصل لوگ فارغ ہو جاتے ہیں دوسرا کھلاڑی کوئی نہیں ہوتا تو اٹھ کر مسجد آ جاتے ہیں۔ دوسری ٹیم ہی کوئی نہ ہو تو اکیلی ٹیم کیا کھیلے گی گراؤنڈ میں۔ پھر جیسے ہی عید کا چاند طلوع ہوتا ہے صبح عید پڑھنے کے لئے آدھے بھی نہیں آتے اس لئے کہ دوسری ٹیم آزاد ہو کر آ جاتی ہے۔ "بی" ٹیم آ گئی، گیم شروع ہو گئی۔ یعنی میں نہیں سمجھتا کہ رمضان شریف میں صرف مساجد میں آ جانا کوئی نیکی کی دلیل ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم لوگ فارغ ہو جاتے ہیں۔ اب جو ظلم ہم دوران رمضان بھی کر رہے ہیں کم از کم اس کا الزام تو شیطان کو نہ دیں۔ وہ تو قید ہے۔ آج جو ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے، آج جو قتل و غارت ہو رہی ہے، آج جو بے گناہ کا خون بہایا جا رہا ہے، آج جو بدکاری ہو رہی ہے، آج جو فحاشی ہو رہی ہے اس میں کم از کم شیطان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ سارے شیاطین قید ہیں یہ شیاطین انسانوں میں سے ہیں، جنوں میں سے سارے شیاطین قید ہیں۔ **شیطین الجن و الانس**۔ یہ ساری کارکردگی انسانی شیطانوں کی ہے۔

یار مجھے ایک بات بتاؤ۔ بڑی بات ہے کہ کوئی نجات پا لے اور جنت میں چلا جائے۔ ٹھیک ہے، کامیابی ہے۔ جنت میں جانا ایک الگ بات ہے اور اللہ کو پانا ایک دوسری بات ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کچھ لوگ بیٹھے تھے جنت کی باتیں چل رہی تھیں تو ایک صحابی کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جہاں ہم ہیں اگر اللہ اس کو دوام دے دے تو ہمیں جنت نہیں چاہئے۔ یہ حال سب سے بہتر ہے جب کہ حال یہ تھا کہ کھانے کو ملتا نہیں تھا، لباس پہننے کو نہیں تھا، مدینہ منورہ ہجرت کے ساڑھے تین سال بعد صحابہ ہتھیار کھول کر نہیں سوئے (راتوں کو بھی ہتھیار زرہ پہن کر لیٹتے تھے) فرصت دشمن سے فراغت نہیں تھی، ہر لحہ خطرہ، کوئی ذرائع آمدن نہیں تھے، ہر طرف سے عالم کفر امڈا پڑ رہا تھا اور اس بندے کو دیکھو کہتا ہے یہ حال بہتر ہے، ہمیں جنت نہیں چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم پاگل ہوئے ہو اللہ نے جنت مانگنے کا حکم دیا ہے، میں جنت کے لئے بات کر رہا

ہوں' اللہ نے دعائیں سکھائی ہیں' میں دعائیں تعلیم کر رہا ہوں اور تم کہتے ہو جنت نہیں چاہئے! وجہ؟" اس نے کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دکھ' مصیبتیں' خطرات لاکھوں ہیں لیکن جب ہم دنیا کے حالات سے گھبراتے ہیں تو سیدھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں' رخ روشن دیکھتے ہیں' برکات سمیٹتے ہیں' پاس بیٹھتے ہیں دل باغ باغ ہو جاتا ہے کوئی خطرہ' خطرہ نہیں رہتا کوئی دکھ' دکھ نہیں رہتا لیکن اگر جنت میں چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے مقام محمود پر اور ہم نیچے کہیں ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنا' یہ رونق' یہ محفل نہ رہی تو جنت کو کوئی خاک ڈالے گا۔ کیا کریں گے جنت کو ہم۔ اچھے لباس ہوں گے یا اچھا کھانا ہو گا' اچھے پھل ہوں گے یا مال و دولت' یا اچھے محلات ہونگے تو اس کا کیا فائدہ؟ جب بزم یار ہی نہ رہی تو پھر دولت کا' نعمت کا' مال کا کیا فائدہ ہو گا؟" اور یہ اتنی' اتنی' وزنی بات تھی' اس بندے کی بات میں اتنا خلوص تھا کہ اس بات کا جواب آسمانوں سے وحی کے ذریعے نازل ہوا۔ آج بھی ہم قرآن حکیم میں پڑھتے ہیں کہ نہیں بھائی ایسا نہیں ہو گا بلکہ

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَ حسن اولئک رفیقا۔ وہاں بھی یہ محفلیں ہوں گی۔ گھر ہر ایک کا اپنا ہو گا' ٹھکانہ اپنا ہو گا' رہیں گے اپنے اپنے درجے پر لیکن انبیاء' علیہم السلام کے پاس انبیاء علیہم السلام کے اطاعت گزار' صدیقین کے پاس ان کے پیرو کار' شہداء اور صالحین کے پاس ان کے ملنے والے اسی طرح ملتے رہیں گے وہاں بھی جانے سے میں منع نہیں کروں گا۔ ان لوگوں نے جنت بھی قبول کی تو اس شرط پر کہ حضوری نصیب ہو تو پھر جنت بھی جنت ہے۔ اور حضوری اللہ کا قرب' اللہ کی رضا' اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کی حاضری کا نام ہے۔ مگر یہ سب تو بہت دور کی بات ہے ہم تو دوزخ سے بچنے کی بھی فکر نہیں کرتے۔ کم از کم اپنے حال پہ تو ہم اتنا رحم کرتے کہ خود کو دوزخ سے تو بچا لیتے فرمایا۔

فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ۔ میرے احسانات دیکھو اور ان مسلمانوں کو دیکھو۔ یہاں بات مسلمانوں کی ہو رہی ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ ہم نے اپنی مخلوق میں سے چن کر اپنے بندوں کو اس کتاب کا وارث بنا دیا اور بندوں کا حال دیکھو جو اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ میرا کرم دیکھو اور ان مسلمانوں کا حال دیکھو۔ پھر فرمایا ہاں کچھ ایسے ہیں **وَ مِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ۔** کچھ ایسے ہیں جو میانہ رو ہیں۔ ان سے گناہ بھی ہو جاتا ہے لیکن پھر انہیں شرم بھی آتی ہے' توبہ بھی کرتے ہیں' کتاب پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں۔

سَابِقٌ م بالخیرات۔ جنہوں نے کتاب کی وراثت کا حق ادا کر دیا کہ ان کی زندگی میں سب سے زیادہ مقدم نیکی کرنا اور اللہ کی اطاعت کرنا ہے۔

سابق م بالخیرات۔ یعنی نیک کام' نیک عمل' نیکی جو ہے اسے ان کی زندگی میں فرسٹ پریارٹی (First Priority) حاصل ہے۔ وہ اس اصول پہ زندگی گزارتے ہیں کہ یہ جان رہے یا نہ رہے' کوئی دوست بنے یا دشمن' تنگی آئے یا ترشی' تکلیف ہو یا آرام لیکن فقط اللہ کی اطاعت یا نیکی کرنی ہے' برائی کی طرف نہیں جانا۔

یوں یہ لوگ تین گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ جو **"سابق م بالخیرات"** ہیں اور **سابق م بالخیرات** کیسے ہیں؟ **باذن اللہ۔** اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا دامن پکڑا' وہ اللہ کے طالب ہوئے اور اللہ نے انہیں سبقت فی الخیرات کی توفیق ازراں کر دی۔ اس آیہ کریمہ میں علمائے تفسیر نے بڑے مزے سے یہ لکھا ہے کہ ہر مسلمان نجات پا جائے گا۔ بے شمار احادیث اس پہ لکھی گئی ہیں۔ تفاسیر میں مفسرین نے بے شمار احادیث اس پہ جمع فرمائی ہیں۔ یہ بالکل یقینی اور حتمی بات ہے اور ایمان ہے کہ انشاء اللہ ہر مسلمان نجات پائے گا۔ لیکن سوال یہ باقی رہتا ہے کہ مسلمان تو ہو۔ مسلمانی تو

عقیدے، نظریئے اور ایمان کا نام ہے تو اگر ہم نے عقیدہ اور نظریہ بھی آج کے رسومات میں، رواجات میں جکڑ دیا اور ادھر ادھر سے مانگ کر خانہ پری کر لی۔ تو کیا پھر بھی مسلمان کہلانے کے قابل ہوں گے؟ وہ عقیدہ، وہ نظریہ، وہ یقین، وہ ایمان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا، اسلام ہے۔ یہ جو گھر سے گھڑ گھڑ کے ہم ایمان میں شامل کرتے رہتے ہیں یہ مسلمانی اللہ کے ہاں قبول نہیں ہو گی۔

آج ہماری اس مسلمان قوم کے درمیان صرف کردار کی تفریق نہیں ہے، نظریات بھی بٹ گئے ہیں۔ آپ ہر نظریہ تو اسلام ثابت نہیں ہو گا۔ میں کسی سے یہ نہیں کہتا کہ جس نظریئے پہ میں ہوں یہی تم بھی مانو لیکن میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ سوچ سمجھ کر مانو، تحقیق کر لو کہ ابھی فرصت ہے۔ حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ **سابق م بالخیرات**۔ مسلمانوں میں وہ لوگ ہیں جنہیں حساب کتاب کی فکر ہی نہ ہو۔ ایک طرف حشر قائم ہو گا دوسری طرف وہ شایانے بجا رہے ہوں گے، خوش ہوں گے، ان کے لئے حشر کی زیارت کا سبب بن کر قائم ہو گا۔ ان کے ئے حشر محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا سبب بن کر قائم ہو گا پھر انہیں حشر کی کیا فکر ہو گی بھائی؟ **سابق م بالخیرات** لوگ تو وہ ہوں گے ان کا تذکرہ قرآن حکیم آگے کرتا ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ۔ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ۔ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ۔ وہ کہیں گے یا اللہ شکر ہے مصائب سے نکل کر، پریشانیوں سے نکل کر ہم یہاں پہنچ گئے۔ وہ حشر میں پہنچیں گے تو کہیں گے ساری مصیبتیں دنیا میں اور برزخ میں پیچھے رہ گئیں اب یہاں بے فکر ہو گئے۔ اللہ کا احسان ہے انہیں تو موج ہو جائے گی، وہ تو مہمان ہوں گے اللہ کے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور طالب ہوں گے ان کی زیارت اور ملاقات کے۔ وہ تو اپنا شوق زیارت پورا کر رہے ہوں گے۔

دوسرے جو درمیانہ درجہ کے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان کا حساب تو ہو گا لیکن حساب آسان ہو گا۔ اور تیسرے **ظالم لنفسہ** جو ہیں فرمایا ان کا حساب سخت ہو گا۔ پریشانی ہو گی، تھرا رہے ہوں گے، کانپ رہے ہوں گے، لرز رہے ہوں گے لیکن اللہ فرمائے گا کہ تم نے تو میری شرم نہ رکھی۔ مجھے تمہیں دوزخ میں جلانے سے حیاء آتی ہے۔ تمہیں تو دنیا میں میری نافرمانی کرنے سے شرم نہ آئی لیکن مجھے اس بات سے حیا آتی ہے کہ میں تمہیں دوزخ میں کافروں کے ساتھ جلاؤں۔ جاؤ تمہیں بھی معاف کرتا ہوں۔

نافرمانی کے باجود اللہ کی بات کو حق سمجھنا، خود کو اس پہ قائم رکھنے کی کوشش کرنا حرام کھا لینا مگر اسے حرام و ناجائز سمجھنا اور بات ہے لیکن حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ گناہ ہو جانا اور بات ہے اور گناہ کو عبادت بنا لینا زیادتی ہے، کفر ہے۔ اللہ کے حلال کو حلال سمجھو، اللہ کے حرام کو حرام سمجھو، وہ اللہ کے بارے، اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے، آخرت اور فرشتوں کے بارے اپنے نظریات خالص اور کھرے رکھو۔ وہ نظریات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں۔ کم از کم اتنا تو کرو یا اتنی فکر تو بندے کو کرنی چاہئے، اتنا تو کتاب اللہ کا ترجمہ دیکھے، حدیث شریف کو دیکھے، تفسیر کو دیکھے، کسی عالم سے پوچھے، کم از کم عقیدے میں تو اسلام کو پکا رکھے تاکہ کم از کم مسلمانوں میں شامل تو ہو جائے جنہیں دھتکار کے بعد ہی سہی کبھی خلاصی تو مل جائے گی۔ اور اگر عقیدہ بھی چلا گیا تو اس سے بڑی بدبختی کیا ہو گی کہ اللہ نے پیدا کیا مسلمانوں کے گھر اور بندہ مرا اسلام چھوڑ کر۔ اس سے بڑی بد نصیبی کیا ہو سکتی ہے؟

ہمیں عادت ہو گئی ہے اور ہمارے علماء نے اور پیر صاحبان نے بھی ہمیں عادی کر دیا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو میرا مرید ہو گیا وہ بھی جنتی، جو میری بات مانتا ہے وہ بھی

جنتی' جو میری مسجد میں نماز پڑھتا ہے وہ بھی جنتی' جو دو دن کی تبلیغ کے لئے جائے اس کے لئے پندرہ جنتیں بن گئیں' جس نے یہ چلہ کاٹا اس کے لئے بیس جنتیں بن گئیں' یار یہ ایسا معاملہ نہیں ہے یہ معاملہ بڑا سیدھا سادا اور بڑا کھرا ہے۔ اپنے اندر جھانک کر دیکھو اگر اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے جھجک آتی ہے تو ایمان ہے اور اگر گناہ سے ڈر نہیں لگتا تو ایمان خطرے میں ہے۔ تلاش کرو کہ کیا وجہ ہے؟ کیوں ڈر نہیں لگتا؟ اگر نیکی کرنے کو' عبادت کرنے کو جی چاہتا ہے تو ایمان ہے۔ خواہ نیکی نہیں کی مگر دل میں خیال کا پیدا ہونا ایمان کی دلیل ہے اور اگر نیکی سے بیزاری ہوتی ہے تو پھر خطرہ ہے۔ تلاش کرو کہاں سے؟ کیا کیا کمی ہے؟ کیا کھو گیا؟ اس زندگی میں اگر عمل کو پورا نہ کر سکے تو کم از کم عقیدے کو تو کھرا کر لیں۔

اور ایک بات اور یاد رکھئے یہ کتاب جس کا اللہ نے ہمیں وارث قرار دیا ہے میں بھی اس کا وارث ہوں اور آپ بھی ہیں۔ کاش ہم کبھی تنہائی میں اسی بات پہ غور کریں کہ "اس کتاب کا میں وارث ہوں۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے عجیب سوال کیا اس نے کہا "یا حضرت! ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی تو پوری دنیائے کفر اٹھ کھڑی ہوئی لیکن مسلمانوں کا کچھ نہ بگڑا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے روئے زمین پر فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیئے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غنیمت آتی رہی فتوحات ہوتی رہیں' افواج اسلامی آگے بڑھتی رہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو خانہ جنگی شروع ہو گئی' دشمن بے فکر ہو گئے' سرحدوں پر فتوحات رک گئیں۔ کمال ہے اس کی کیا وجہ ہے؟" انہوں نے فرمایا "اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوبکر و عمر اور عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے ہم لوگ تھے اور میرے حصے میں تم لوگ آئے ہو۔" فرمایا جن لوگوں سے انہوں نے کام لیا وہ ہم تھے اور جن سے مجھے کام لینا پڑ گیا وہ تم ہو۔ آج اگر یہ سوال ہم اپنے آپ سے کریں کہ قرآن کیوں رسوا ہے؟ اس کی اہمیت کیوں کم ہے؟ آج بڑے آرام سے کہہ دیا جاتا ہے اسلام اب پرانا ہو چکا اور موجودہ حالات کا تقاضا پورا نہیں کرتا۔ ایک عام آدمی' ایک انتہائی کمزور آدمی رمضان شریف میں سڑک پر کھڑا ہو کر حقہ پیتا' سگریٹ پیتا ہے۔ کھا پی لیتا ہے' اسے فکر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ قرآن نے منع کیا ہے۔ ایک عام آدمی جو جی چاہتا ہے کرتا ہے' اسے خطرہ نہیں ہوتا۔ تو اللہ کی کتاب کی اہمیت کیوں کم ہو گئی؟ اس کی عزت کیوں نہ رہی؟ اس کی عظمت' اس کی ہیبت' اس کی شان و شوکت کہاں گئی؟ شاید یہ اپنی شان اس لئے کھو بیٹھا ہے کہ اس کے وارث میں اور آپ ہیں۔ ہم ہیں اس کے وارث۔ اور آپ ہم نے اسے بے قدر کر دیا۔ ہم اس کی شان کو گھٹانے کا سبب بن گئے' ہم اس کی اہمیت کو کم کرنے کا سبب بن گئے' ہم نے اس سے اس کی شان و شوکت اور ہیبت چھین لی ہے۔ اللہ کرے یہ ہم سے اتنا ناراض نہ ہو کہ میدان حشر میں یہ کہہ دے کہ اب میری باری ہے۔ اس وقت تم تھے اب میں ہوں اور پھر یہ ایک ایک بات سنائے' وہ سلوک جو اس سے ہم کر رہے ہیں بیان کرے تو معاملہ بڑا مشکل ہو جائے گا۔ صرف چلوں سے بات نہیں بنے گی۔ بات تب بنے گی کہ پہلے اس کتاب کو اپنے آپ پر لاگو کرو' خود کو اس کا وارث ثابت کرو' اسے اپنا پرابلم سمجھو' اپنا مسئلہ سمجھو' اپنی ذات کا مسئلہ سمجھو کہ یہ قرآن میرا ہے میں اس کا وارث ہوں' یہ مجھ سے بات کر رہا ہے۔ اسے اپنے آپ پر نافذ کرو اور پھر اسے کائنات پر نافذ کرنے کی سعی کرتے رہو۔ یار! نرے نفلوں سے بات نہیں بنے گی۔ ضرور پڑھو نوافل' ضرور کاٹو چلے' ضرور جاؤ تبلیغ پر لیکن قرآن کو خود پر بھی لاگو کرو اور اسے کائنات پر لاگو کرنے کے لئے سعی کرتے رہو اور سب سے خوش نصیب وہ ہو گا جس کی جان بھی اس راہ میں چلی جائے۔ مال خرچ ہوتا ہے تو کرو' خوش نصیبی ہے۔ وقت لگ سکتا ہے تو وہی وقت اصل کام پر لگے۔ وقت کا اصل مصرف ہی اسے اس کام پہ خرچ کرنا ہے۔ اور اگر جان چلی جائے تو کیا بات ہے!

یعنی اس کا تو کوئی ثانی ہی نہیں کہ اس کام پہ جان دینے والے مرتے نہیں موت کو شکست دے دیتے ہیں۔

دنیا میں ہر بندہ خواہ ہندو ہے یا یہودی' عیسائی ہے یا اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہے سب کے لئے موت ایک مصیبت ہے' ہوا ہے۔ اس کے خیال سے تڑپ اٹھتے ہیں' برداشت نہیں کر پاتے۔ لیکن مومن کے لئے موت کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ ایک درویش نے کہا تھا۔

الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب۔ موت ہی وہ پل ہے جس سے گزر کر بندہ سیدھا اللہ کی بارگاہ میں جا کھڑا ہوتا ہے کہ جس ذات کو ساری عمر پوجا' جس کی عبادت کی' جس سے دعائیں مانگیں' جس سے بن دیکھے مانا آج اسے دیکھنے کا موقع تب ہی ملا کہ میں موت کے راستے سے گزرا۔ اور اگر واقعی یہ ایمان ہو جائے تو پھر موت خوفناک نہیں لگتی۔ پھر موت ایک مزے دار سا کام بن جاتا ہے اور ہم نے دیکھے ہیں ایسے لوگ جو موت کی تیاری کرتے ہیں۔ وصیت کر رہے ہوتے ہیں کہ یہ کرنا' یہ کرنا' تھوڑا وقت رہ گیا میں جا رہا ہوں یہ بھی کرنا' یہ بھی کر لینا' انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین میں' تابعین تبع تابعین' متقدمین میں تو ایسے لوگ عام تھے۔ آج کے زمانے میں بھی ہم نے دیکھے ہیں ایسے لوگ۔ تو میرے بھائی زندگی اگر بنانا چاہتے ہو تو موت سے دوستی کرو۔ زندہ وہی رہیں گے جنہوں نے موت سے دوستی کر لی' موت کی تیاری کر لی' موت کو گلے لگانے کا فن سیکھ لیا اور جو ساری عمر موت سے بھاگتے رہے وہ چوہے بلی کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ چوہا بھاگ بھاگ کر ڈر ڈر کے آدھا مر جاتا ہے پھر بلی کھا جاتی ہے پکڑ کر۔

اللہ نے رمضان المبارک کا مبارک مہینہ عطا فرمایا ہے۔ شیطان قید ہے۔ اس کی غیر حاضری میں اپنے میں کوئی جرات پیدا کر لو کہ وہ آئے تو اسے دوست نہیں کوئی دشمن نظر آئے کہ جسے میں چھوڑ کر گیا تھا یہ تو بگڑ گیا۔ میرے کام سے تو گیا۔ وہ تو اس ایک مہینے میں میرے قابو سے جاتا رہا۔ اللہ فرماتا ہے **اِنَّ الشَّیْطٰنَ عَدُوٌّ لَّکُمْ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا۔** شیطان تمہارا دشمن ہے۔ مزا جب ہے کہ تم بھی اسے دشمن بن کر دکھاؤ **فاتخذوہ عدوا۔** شیطان تو دشمن ہے ہی' مزا تب ہے کہ تم بھی اسے اس کا دشمن ہونا ثابت کر دو کہ ہم تیرے دشمن ہیں۔ اسے بھی تکلیف ہو۔ ساری زندگی تم ہی نہ کٹتے رہو شیطان دم نہیں لینے دیتا۔ کبھی شیطان بھی کہے کہ اس بندے نے میری ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اگر ہم نے اپنے لئے اس طرح کا راستہ پسند کر لیا' اس پر چلنے کے لئے تیاری کر لی' اسے اپنا لیا' اللہ سے رمضان میں یہ مانگ لیا کہ یااللہ میرے لئے یہی راہ ہدایت ہے۔ اپنا' اپنے حبیبؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ' اپنی کتاب' اپنے قرآن کا راستہ متعین فرما دے اور یہ دعا قبول ہو گئی تو ہم دو عالم میں جیت گئے اور یہ نہ ہوا تو مال و دولت حکومت و اقتدار بھی آیا تو کچھ نہیں ہو گا۔

دین اسلام بڑی ٹھوس حقیقت ہے اسے مذاق نہ سمجھو' اسے رواج نہ سمجھو۔ اس پہ یہ احسان نہ کرو کہ میں نے اتنی تہجد پڑھ لیں' میں نے نفل پڑھ لئے' میں نے تراویح پڑھ لی' روزہ رکھ لیا۔ نہیں۔ اپنا محاسبہ کرو کہ اس روزے تراویح' نماز' نفل' تہجد' ذکر سے کچھ تبدیلی اندر آئی؟ ایمان میں قوت پیدا ہوئی؟ کوئی کفر سے شیطان سے دشمنی کی جرات آئی؟ اگر آئی تو ٹھیک ہے نہیں آئی تو پھر اب کا رمضان بھی ہمارے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ فکر کر لو اپنی۔ دعا یہ ہے کہ اللہ ہم سب کی خطائیں معاف فرمائے۔ میں جو تم سے کہہ رہا ہوں اللہ کریم خود مجھے بھی یہ جرات و ہمت عطا کرے اور آپ سب کو بھی اپنا' اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنے دین کا سفیر اور قاصد بنائے۔ زندگی' موت اور بعد الموت اپنی' اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے محفوظ رکھے۔ ہدایت پہ زندہ رکھے' ہدایت پہ موت نصیب فرمائے اور ہدایت یافتہ لوگوں کے ساتھ حشر نصیب فرمائے۔

محبت کی قوت

ملک محمد اکرم اعوانؒ

اسلام کی بنیاد کس چیز پر ہے اور اس میں عبادات کو کس حد تک دخل ہے اور ان کی غرض و غایت کیا ہے اور عبادات کے ساتھ انسان کا عمل اور اس کا کردار کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اس سارے سوال کے پہلے حصے کا جواب حضرت جی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک آسان سے جملے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

کہ قرآن حکیم جو کچھ بھی ارشاد فرماتا ہے اس سارے کا ماحاصل یا خلاصہ سورۃ فاتحہ میں موجود ہے۔ سورۃ فاتحہ کا ماحاصل بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اس ایک آیت کریمہ میں موجود ہے اور اس آیت مبارکہ کا خلاصہ صرف بسم اللہ کی "با" میں موجود ہے یہ "با" تلبس کا ہے یعنی اِنْقِطَاعٌ عَنِ الْخَلْقِ۔ اور وصول الی اللہ ماسوا سے کٹ کر اللہ سے ڈرنا یہ ساری اساس ہے اسلام کی۔

عبادات اگر ہیں تو اس مقصد کو پانے کا ذریعہ ہیں عبادات مقصود بالذات نہیں ہیں اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شریعت میں مختلف عبادات بطور فرض، سنت، واجب ارشاد فرمائی گئیں یا مختلف چیزیں کبھی حلال رہیں کبھی حرام ہوئیں احکام بدلتے رہے لیکن وہ بنیاد اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ کہیں تبدیل نہیں ہوئی ہر نبی کے پیغام کی اساس اور بنیاد صرف یہی رہی کہ اللہ جل شانہ کا کوئی شریک اور کوئی ہمسر نہیں ہے اور انسان کو اس کی ذات سے ایسی محبت کہہ لیں یا ایک ایسا جذبہ کہہ لیں جو اسے اس کی ذات کا اسیر کر دے اور کبھی اس کے حکم سے سرمو انحراف نہ کر سکے۔

اب یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہم اپنے گرد ہر طرف محبت کا ایک اثر دیکھتے ہیں۔ جہاں دیکھیں آپ انسان تو خیر انسان ہے حیوان سے بھی اگر شفقت برتی جائے تو وہ بھی اس کا جواب محبت سے دیتا ہے۔ بلکہ نباتات پر یہ تجربہ کر کے آزمایا گیا ہے کہ جن پودوں کو آپ خندہ پیشانی سے پانی دیں اور ان کی دیکھ بھال آپ پیار سے کریں وہ ان پودوں کی نسبت زیادہ بڑھتے ہیں جنہیں آپ بوجھ سمجھ کر اور نفرت کرتے ہوئے پانی بھی دیں، گوڈی بھی کریں، رکھوالی بھی کریں لیکن ان سے پیار نہ کریں اور یہ تجربہ کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ انسان کا جو ان کے ساتھ سلوک یا تاثر ہے اس کا بھی ان کی نمو پہ بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔

تو کیا انسان جب اللہ سے محبت کرے تو پھر حق تو یہ ہے کہ اور کسی سے اسے کوئی محبت نہ رہے اور یہ بات اس لئے قرین قیاس نہیں ہے کہ انسانی حیات اور اس دنیا کے نظام کی بقا کا سبب ہی محبت ہے اگر اس جذبے کو درمیان سے نکال دیا جائے تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو سکتا ہے جو لوگ محض فیک سمجھ کر کام کرتے ہیں جو لوگ محض مجبوری سمجھ کر کام کرتے ہیں ان کے کام کرنے سے نظام نہیں چلا کرتا۔ آپ اپنے ملک ہی کو دیکھ لیں ہمارے ہاں اپنے کام

سے لوگوں کی محبت ختم ہوتی جا رہی ہے اور جو شخص بھی جس ذمہ داری پہ بیٹھا ہے وہ اسے مجبوری اور بوجھ سمجھ کر کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ آپ دیکھ لیں کہ ایک نہایت نچلی سطح سے لیکر بڑی سے بڑی اوپر کی سطح تک کوئی بھی کام ڈھنگ سے نہیں ہو پا رہا اور جو ادارے عام آدمی کی سہولت اور آرام کے لئے بنائے جاتے ہیں وہ ادارے عام آدمی کے لئے مصیبت اور پریشانی کا سبب بن رہے ہیں یہ کام تو ہو رہا ہے۔ سسٹم تو ہے' لوگ تو ہیں' نظام تو ہے اس میں اگر ہم نے کچھ کھویا تو وہ محبت ہے ورنہ تو دفتر اپنے وقت پہ لگتے ہیں' چھٹی اپنے وقت پہ ہوتی ہے' دفاتر میں افراد اور کام کرنے والوں کی تعداد پوری ہے' کارخانوں میں تعداد پوری ہے لیکن جب حساب ہوتا ہے تو نفع کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔ عدالتیں انصاف دینے سے معذور ہو رہی ہیں اور کام کرنے والے ادارے بوجھ بنتے جا رہے ہیں اس میں کیا نہیں' صرف محبت۔

اب اگر آج اللہ کرے کہ یہ آج پھر اس طرح سے بدل جائے کہ ہم اپنا کام محبت سے پیار سے کریں ہمیں اپنی ذمہ داری سے محبت ہو تو سارا نظام بدلتا چلا جائے اسی کو اگر مزید پھیلا کر دیکھیں تو یہ دنیا کا پورا نظام اس ایک جذبے سے قائم ہے۔ ہر پیدا ہونے والے بچے کی محبت اللہ اس کے والدین کو دے دیتا ہے اور صرف یہی سبب ہے کہ چھوٹے سے مجبور و بے کس بچے جانوروں کے پرندوں کے جنگلوں میں گرمی سردی میں موسمی اثرات میں یہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔ وہ جانور بھی ان بچوں سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ اپنی جان دے کر بھی ان کی حفاظت کا فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ تو اس ایک جذبہ محبت کو درمیان سے نکال دو تو رشتے ختم ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اس طرح آپ انسانی نسل کی بقا کو دیکھ لیں کہ کتنی شدید محبت کی محتاج ہے اس کی بقا اور کتنا لمبا عرصہ انسانی بچہ محتاج رہتا

یہ ساری محبتیں درمیان سے نکال دی جائیں اور صرف محبت الٰہی رکھی جائے تو یہ کیسے ممکن ہے اس کا معنی تو یہ ہے کہ سارا نظام ہی ختم ہو جائے اسلام کا منشا یہ نہیں ہے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں انہیں دھوکا لگتا ہے۔

منشائے اسلام یہ ہے کہ ہر شے کی محبت اس کی شان اور اس کی حیثیت کے اعتبار سے ہے۔ ہمیں اپنے مال سے' اپنے رزق سے' اپنے مکان سے' اپنی موٹر سے' اپنی زمین سے محبت ہے ہم نہیں چھوڑتے لیکن کبھی کوئی ایسی محبت درمیان میں آجاتی ہے کوئی ایسا شخص درمیان میں ٹپکتا ہے کہ ہم مال کی محبت قربان کر دیتے ہیں اس کی محبت کو نہیں چھوڑتے۔ یہ نہیں کہ ہمیں اپنے مال سے نفرت ہو جاتی ہے' یہ نہیں ہوتا کہ ہمیں مال کے جانے کا دکھ نہیں ہوتا' یہ نہیں ہوتا کہ ہمارے لئے اس مال کی یا جائیداد کی کوئی حیثیت نہیں رہتی لیکن وہ دکھ ہم برداشت کر لیتے ہیں کسی ایک انسان کو بچانے کے لئے کسی ایک انسان کو پانے کے لئے۔ عین ممکن ہے ایک چھوٹا سا بچہ بیمار ہو جائے اور ہم اس کی بیماری پہ اپنا سارا سرمایہ پانی کی طرح بہا دیں تو اس میں کبھی یہ نہیں ہو گا کہ وہ مال جو ہے اس سے ہمیں نفرت ہو گئی تھی یا وہ ہمیں پیارا نہیں لگتا تھا لیکن وہ بچہ جو تھا اس کی محبت مال کی محبت پر غالب آگئی باوجود اس کے کہ وہ دولت پیاری تھی مال پیارا تھا لیکن اس بچے کی خاطر ہم نے اس سے جدائی گوارا کر لی بچے کو چھوڑنے کو جی نہ چاہے۔ اس طرح بعض لوگوں کے لئے ہم جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں حالانکہ کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ دینے والے کو اپنی جان عزیز نہیں یا اپنی جان سے پیار نہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے وہ جان دینا چاہتا ہے وہ مقصد اسے اپنے آپ سے بھی زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

اس طرح سے محبت الٰہی کا مفہوم اسلام میں یہی ہے کہ مال کی محبت ہو اپنی جگہ پر ہو جتنی اس کی حیثیت ہے

اتنی اس سے محبت کی جائے' اولاد سے محبت اور پیار ہو لیکن اس کی جتنی حیثیت ہے اتنا پیار ہو اتنی محبت ہو' اپنے آپ سے اپنی زندگی سے حیات سے پیار ہو محبت ہو لیکن جتنی اس کی حیثیت ہے اتنی ہو اور اس سب کے ساتھ اللہ کریم سے پیار ہو محبت ہو اور ایسا ہو جیسے اس کی شان ہے جس طرح وہ بے مثل ہے بے مثال ہے لاشریک ہے اسی طرح اس سے جو محبت کی جائے وہ بے مثل ہو بے مثال ہو اور لاشریک ہو حتی کہ ساری محبتیں بھی نچھاور کرنا پڑیں تو کی جائیں لیکن اللہ کی محبت کو چھوڑا نہ جائے۔ یہ اسلام ہے اسی لئے رب جلیل نے فرمایا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ یعنی تقاضائے ایمان یہ ہے کہ جس کے دل میں نور ایمان ہوتا ہے اس دل میں اللہ کی محبت باقی سب محبتوں کی نسبت شدید تر ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ اس کے دل میں اور کوئی محبت ہی نہیں رہی اگر اور کوئی محبت ہی نہ رہے تو پھر ہم خالی ہاتھ ہو جائیں اللہ کی محبت پہ قربان کرنے کو ہمارے پاس سرمایہ ہی کچھ نہ رہے یعنی اگر ہمیں مال سے محبت نہ ہو' جان سے محبت نہ ہو' لذات دنیا سے محبت نہ ہو تو معیار کیا ہے کہ یہ چیزیں ہمیں اللہ کے دروازے سے نہیں ہٹا سکتیں جب ہمیں ان سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ فرشتہ ہے اسے گرمی سردی کی کوئی احتیاج نہیں' اسے بھوک اور نیند کی کوئی احتیاج نہیں ہے' اسے بیٹے اور بھائی کی کوئی احتیاج نہیں ہے' نہ ضرورت ہے' نہ ان سے تعلق ہے' نہ ان سے محبت ہے۔ تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے پاس دینے کو کچھ بھی نہیں اسی لئے فرمایا

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ فرشتہ کہتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک ایک رتبے پہ پیدا فرمایا گیا اس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتا۔ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے جو پیدا ہوئے اور دنیا کے ختم ہونے کے بعد جو ختم ہوں گے وہ بھی ساری عمر سر بسجود ہی رہے ترقی کا ایک زینہ طے نہیں کر سکے اس جگہ پہ رہے جہاں انہیں رب کریم نے پیدا فرمایا اس لئے کہ ان کے پاس اس کے سوا دوسرا راستہ ہی نہیں ہے۔ انہوں نے کچھ دیا نہیں ہے ان کے پاس تھا ہی کچھ نہیں دینے کو۔

انسان کو رب جلیل نے بے شمار ضروریات میں جکڑ دیا ایک شاعر نے گھبرا کر کہا تھا۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
باز مے گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

کہ بار الہ تو نے تو مجھے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک تختے پر سمندر کے درمیان پھینک دیا اور اب کہتا ہے کہ خبردار دامن گیلا نہ ہونے پائے یہ کیسے ممکن ہے لیکن شاید وہ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکا کہ اللہ نے انسان کی ایسا بے بس نہیں چھوڑا۔ اللہ اتنا کریم ہے کہ اس نے انسان کے گرد بے شمار ایسی چیزیں پھیلا دیں جن سے اسے محبت ہے۔ اسے محتاج بنایا گرمی اور سردی کا' بھوک اور پیاس کا' عزت و شہرت کا' اقتدار و ہوس کا' ان سب ضرورتوں کو اس کے گردا گرد پھیلا دیا اور ایک خوبصورت و حسین تر دنیا سجا دی۔ دنیا اتنی حسین ہے' اتنی خوبصورت ہے' اتنی پر لطف ہے کہ اس کے ان اوصاف سے انکار ممکن نہیں ہے اس لئے کہ اس کا بنانے والا بھی وہی علیم و خبیر ہے' وہی رحیم و کریم ہے' وہی خالق لم یزل ہے' وہی بے مثل و بے مثال ہے' اس کی کوئی صنعت بھی بے لطف نہیں ہو سکتی' بے فائدہ نہیں ہو سکتی' بے مقصد نہیں ہو سکتی۔

پھر اس نے ان تمام طلاطم کے درمیان انسان کو کھڑا کر کے اسے تختے پہ باندھا نہیں اس کے سامنے اپنا جمال جہاں ارا بھی رکھ دیا۔

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر اب وہ کہتے ہیں

اللہ کریم نے بھی ایسا ہی کیا کم و بیش کہ بے شمار لذتیں' بے شمار لالچ' بے شمار چھوٹی چھوٹی محبتیں' بے شمار ضرورتیں سجا دیں۔ ایک بات تو یہ ہے سب سے بڑی کہ ہم محبت اور ضرورت کو جدا نہیں کر سکتے۔ ضرورت جو ہوتی ہے وہ محبت نہیں ہوتی کھانا ہماری ضرورت ہے یہ کہنا کہ

مجھے کھانے سے محبت ہے یہ مزے دار بات نہیں بنتی اسی طرح بعض لوگ ہماری ضرورت ہوتے ہیں ان کے بغیر بہت سے کام رک جاتے ہیں ہماری خواہشات کی تکمیل نہیں ہو پاتی اس خواہش کی تکمیل کے لئے اپنی اس غرض کے لئے اس آدمی کے ساتھ رہنے کو محبت کا نام دینا کچھ مزا نہیں دیتا غرض کہ ضرورت کو الگ کیا جائے تو انسانی زندگی میں بڑی تھوڑی سی محبتیں رہ جاتی ہیں۔ یہ جو محبتوں کی بھرمار ہے ہمارے ارد گرد یہ دراصل ضرورتیں ہیں اب ان ضروریات کو اور محبت کو جدا کرتے ہیں۔

ضرورت اور محبت میں ایک فرق ہوتا ہے جس سے ہم اسے جانچ سکتے ہیں کہ ضرورت کسی بھی دوسرے طریقے سے پوری کی جا سکتی ہے مثلاً" ہم کہیں کہ روشنی سے ہمیں محبت ہے اگر بجلی کی روشنی چلی جاتی ہے تو ہم ایک جرنیٹر چلا لیتے ہیں کوئی دکھ محسوس نہیں ہوتا اس محبت کا بلکہ عجیب بات یہ ہے میرا اپنا تجربہ ہے کہ ہمارے ہاں بجلی کی وولٹیج کم رہتی ہے چونکہ ہم دور ہیں گرڈ سٹیشن سے تو بچے اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ کب لوڈ شیڈنگ ہو اور اپنا جنریٹر چلے کم از کم اس سے روشنی زیادہ ہوتی ہے تو یہ ضرورت سے پیار ہوا نا۔ روشنی سے تو نہ ہوا اسے ہم ضرورت کہیں گے۔ اسے ہم بجلی کی محبت نہیں کہہ سکتے۔ یعنی ضرورت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ کسی بھی دوسرے طریقے سے پوری کی جاسکتی ہے اب اگر محبت ہوتی تو جنریٹر چلا کر بھی ہم بجلی کے لئے تڑپتے رہتے کہ بھئی وہ کب آئے لیکن ایسا نہیں ہوتا ہم تو خوش ہوتے ہیں کہ چلو اس کی روشنی اس کی نسبت زیادہ ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی سے ضرورتیں الگ کریں تو محبتیں بڑی تھوڑی رہ جاتی ہیں اگر محبتیں زندگی میں ہوتیں تو زندگی مشکل نہ ہوتی' زندگی بے کیف نہ ہوتی' زندگی بوجھ نہ بنتی۔ یہ جو ہم پر زندگی بوجھ بن رہی ہے اس کی وجہ ہی صرف یہ ہے کہ ہم نے محبتیں چھوڑ دیں اور ضرورتوں کو محبتوں کے نام پر پالنا شروع کر دیا۔ غرضوں کو اپنی حاجتوں کو ہم نے محبت کا نام دے دیا۔

ایک آدمی سے ہمیں بہت زیادہ محبت ہے لیکن شاید اس کے وسیلے سے ہمیں پیسہ ملتا ہو اس کے وسیلے سے ہمارا عہدہ قائم ہو یا اس کے وسیلے سے ہماری حفاظت ہو رہی ہو۔ اب اگر وہ آدمی کھو جاتا ہے لیکن اس کی جگہ دوسرا آتا ہے اس کے طفیل ہمیں زیادہ فوائد ملتے ہیں تو ہمیں اس آدمی کے کھونے کا دکھ نہیں ہو گا۔ بلکہ نئے کے آنے کی خوشی ہو گی۔ تو اس آدمی کی جو اہمیت ہمارے دل میں تھی اسے محبت نہ کہا جائے وہ ہماری ضرورت تھی دوسرے طریقے سے پوری ہونا شروع ہو گئی تو ہم ادھر مطمئن ہو گئے تو اسی طرح کی جو ضرورتیں اور حاجتیں ہیں انہیں اگر ہم اپنے رات دن میں سے نکال دیں تو بہت تھوڑی سی محبت رہ جاتی ہے۔ بہت کم خوش نصیب ایسے بھی نکلیں گے جن کے ٹائم ٹیبل میں کوئی محبت نام کی کوئی چیز بھی نکلے اگر دیانت داری سے ہم اپنا اپنا تجزیہ کریں تو اگر کوئی ذرہ محبت کا نظر آ جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ جس دل میں جس وجود میں وہ ذرہ ہے حقیقتاً وہ انسان ہے اور اس نے اپنے مقصد تخلیق کو پایا ورنہ قرآن حکیم کا یہ ارشاد

اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ۔ کہ لوگ وجود تو انسانی رکھتے ہیں لیکن زندگی صرف حیوانی بسر کرتے ہیں چوپاؤں کی طرح جیتے ہیں ایک نیچرل پراسس ہوتا ہے فطری حیات ہوتی ہے ایک اس کے دھارے میں بہتے رہتے ہیں۔ گھر بنانا بچوں کو پالنا پیسہ کمانا اور مر جانا ایک فطری طرز حیات ہے اس میں اس دھارے میں بہتے رہتے ہیں اور خود کو انسان سمجھنا شروع کر دیتے ہیں تو کیا یہ سارا کام سارے جانور نہیں کرتے۔ ہر جانور اپنے بچے کو پالتا ہے اور ان کے لئے روزی تلاش کرتا ہے اور سارا ایک زندگی کا جو نظام ہے اس میں سے ہو کر گزرتا ہے تو انسان میں بھی اگر کوئی جذبہ لطافت جذبہ الفت' جذبہ محبت و عشق نہ رہے تو مسلمان تو بجائے خود رہا وہ انسان ہی نہیں رہتا۔

اگر کسی دل میں کوئی ایسا ذرہ پیدا ہو جائے مثلاً" کوئی ایسی ہستی ہے جس کے ساتھ ہمیں کسی فائدے کی غرض

نہیں ہے ہمیں کچھ پانے کی ضرورت نہیں ہے ہم پلے سے کھو کر بھی اس کے قریب رہنا چاہتے ہیں اگر کوئی ایسا لمحہ کسی کے ساتھ نصیب ہو تو یہ ایک عکس ہے پر تو ہے محبت کا۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایسا بہت کم ہے۔ سب سے بڑی محبت جو ہم مسلمانوں کو جس کا دعویٰ ہے اور جو ہمارے ہاں سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں اللہ والوں سے بڑی محبت ہے لیکن اگر دیکھا جائے تو ہر شخص کو اپنی اغراض سے محبت ہے جن کو یہ سمجھتا ہے کہ فلاں بزرگ کے پاس جانے سے میری یہ خواہش پوری ہو جائیں گی فلاں مزار پر دعا کرنے سے میری یہ خواہشیں پوری ہو جائیں گی۔ حج پر جاؤں گا تو بیت اللہ کے سامنے دعا کرنے سے یہ بات بن جائے گی۔ روضہ اطہر پہ جاؤں گا تو صلوۃ والسلام پڑھنے سے میری یہ خواہش پوری ہو جائیں گی تو ایسا بے وقوف انسان ان خواہشوں کو محبت کا نام کیوں دیتا ہے۔

مجھے ایک خط ملا۔ بڑا مزے دار تھا کہ میں عمرے پر گیا' زیارتیں کرتا ہوا گیا' پندرہ دن عراق میں ٹھہرا پھر سعودی عرب حاضر ہوا' بیت اللہ شریف میں روضہ اطہر پر اور چھوٹے چھوٹے میرے پرابلم تھے ان کے لئے میں نے ہر جگہ دعا کی لیکن کوئی بھی حل نہیں ہوا۔ تو میں نے اسے جواب میں یہی لکھا کہ تم نے یہ سارا سفر بلا مقصد کیا اور خواہ مخواہ جھک ماری ہے اتنے پیسے خرچ کئے اور اتنا طویل سفر کیا یہ تو تقدیر کا اپنا ایک ٹائم ٹیبل اور دھارا ہے طے شدہ فیصلے ہیں جو اس کائنات پہ نافذ ہوتے ہیں میرا اور تمہارا حج ان فیصلوں کو بدلنے سے رہا۔ اگر ہر حاجی ایک مشورہ دے اور اللہ اسی کے مطابق کام کر لے' تمہی جواب دو کیا یہ نظام چل سکے گا۔ شاید تم نے جو مشورہ دیا ہے وہاں پچاس ہزار آدمی اس کے خلاف دعا مانگ رہے ہوں تو تم نے یہ اتنا سفر اسی لئے کیا کہ نظام الٰہی میں اللہ کے طے شدہ ایک نظام میں تمہارا نام بھی آ جائے اور کائنات کے چلانے والے دو ہو جائیں ایک اللہ اور ایک تم۔ تو تم نے بچ ماری ایسا تو نہیں ہو سکتا وہ اپنے تخت پر تمہیں نہیں بٹھائے گا۔ اس لئے کہ تم مخلوق ہو اور وہ خالق ہے تمہیں وہاں بیٹھنے کا حق ہی نہیں تھا تم میں نہ وہ استعداد ہے' نہ جرات ہے' نہ علم ہے' نہ طاقت ہے اور جو حاصل ہونا تھا ان دروازوں پر جا کر تو اس کے لئے تم گئے ہی نہیں' وہاں سے کوئی ذرہ درد کا لے آتے' وہاں سے کوئی تڑپ لے آتے' وہاں سے کوئی جذبہ لے کر آتے جن کی وہاں فراوانی ہے جو وہاں لٹتے ہیں۔ اگر تم کربلا گئے ہو تو تم نے کیا دیکھا کربلا والوں نے کتنا دنیاوی منافع کمایا کہ تم ان کے دروازے پر دنیا کمانے گئے ہو اگر تم اپنی خواہشات لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر گئے ہو تو تم نے یہ نہیں دیکھا کہ دنیا کے اعتبار سے اس شخص نے سب کچھ کھویا ہے تم دنیا لینے اس کے پاس کہاں چلے گئے۔ انہوں نے کیا کما لیا تھا دنیا کا کہ تم اپنی دنیا لے کر وہاں چلے گئے ایسا بھی کوئی بے وقوف ہو گا۔ جو تاجر خود لٹ رہا ہو آپ اس سے سودا کرنے کیوں گئے وہاں تو لٹنے ہی جانا تھا وہاں تو لوٹ مچی ہوئی ہے آپ بھی لٹنے جاتے آپ بھی کچھ لٹ کر آتے۔ اگر جرات تھی تو ان سے پوچھ لیا ہوتا کہ لٹنے میں کیا مزا ہے اگر وہاں جا کر بھی تمہیں یہ احساس رہا کہ یہاں سے کچھ کما کر لے جاؤں گا تو جس کے باعث تم وہاں گئے اس نے تو سارا کچھ دنیوی اعتبار سے وہاں کھو دیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کیا نہیں کھویا اللہ کی راہ میں گھر سے لے کر والدین سے لے کر رشتہ داروں سے لے کر حکومت و سلطنت کی مخالفت سے لے کر وطن ملک علاقے تک اور عین بڑھاپے میں اسماعیل جیسے خوبصورت بیٹے کی گردن پر چھری رکھ کر کہاں تک اس نے ہر چیز نہیں لٹوائی۔ اس راستے میں تم وہاں گئے تو چھوٹی سی خواہش کی تکمیل کے لئے۔ وہاں جا کر بھی تمہارے پاس کوئی اسماعیل علیہ السلام تو نہیں تھا لیکن یہ چھوٹی چھوٹی خواہشیں تو ذبح کر سکتے تھے یہ بھی نہیں کر سکے۔

تمہیں روضہ اطہر پر مکے کا مسافر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظر نہیں آیا تم نے اس ہستی کو نہیں دیکھا جو بیت اللہ کے لئے تڑپا کرتی تھی پھر اللہ کریم نے فرمایا۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰی۔ فرماتا تھا بار الہا اگر مکہ تیری راہ میں قربان ہی کرنا پڑا ہے تو بیت اللہ کو میرا قبلہ ہی بنا دے اس کی طرف منہ کر کے سجدے ہی کرتا رہوں کچھ رشتہ تو رہے اس کے ساتھ تو جب اسے چھوڑ کر نکلنے کا حکم دیا گیا ہو گا' جب اس کا راستہ حدیبیہ میں روک دیا ہو گا۔ تو کافر تو بیت اللہ جا سکتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں جا سکتا کیا بیتی ہو گی اس کے قلب اطہر پر وہ تو جو فدا تھا بیت اللہ پر' وہ تو ابدالاباد کے لئے مدینہ میں خیمہ زن تھے تم وہاں کون سی خواہش کی تکمیل کے لئے گئے تھے۔

تو میں نے جواب میں انہیں یہی لکھا کہ برخوردار آپ نے سارا فضول سفر کیا بات ہی نہیں سمجھ سکے اگر ہمت ہے تو ایک بار پھر جاؤ ضرورتوں کو رہنے دو' انہیں بڑھنے دو' پریشانیوں کو آنے دو یہ کہاں جائیں گی یہ مصیبتیں یہ پریشانیاں فرشتوں کے گھر جائیں گی یا آسمانوں پر جائیں گی۔ کہاں جائیں گی ان غریبوں کے لئے میرا اور تمہارا یہ ٹوٹا ہوا چھپر ہی ہے ان کو یہیں رہنا ہے یہ ان مکانوں کے مکین ہیں۔ انسان آئیں گے انسان چلے جائیں گے لیکن یہ دکھ اور مصیبتیں یہیں رہیں گی۔ جب تک یہ سورج نکلتا اور جب تک یہ سورج ڈوبتا ہے تم انہیں یہاں سے نہیں نکال سکتے یہ یہاں کے رہنے والے ہیں۔ تم درمیان میں آ گھسے ہو کچھ دن ان کے ساتھ گزارا کرو پھر تمہیں اپنی راہ پر چلے جانا ہے تم کیا سمجھتے ہو کہ ان سب کو یہاں سے نکال دو گے۔ اور تم یہاں رہ جاؤ گے تو تمہارا فلسفہ ہی غلط ہے۔ ان کے ساتھ گزارا کرو اور اپنا کام کرو ان کے درمیان رہتے بستے ان حاجات کے درمیان رہتے بستے اپنے جذبہ الفت کا رخ ان بلندیوں ان عظمتوں کی طلب کی طرف پھیرنا کہ جو جمال باری کے شایان ہیں کچھ غرض پوری نہ ہو اگرچہ غرضیں وہی پوری کرتا ہے اسی لئے اس نے ہر ضرورت کو اپنی ذات سے مانگنے کا حکم دیا ہے انسان کی ضرورتیں وہی پوری فرماتا ہے۔ اپنی حکمت کے مطابق' اپنے علم کے مطابق' اپنی شان کے مطابق اور بعض اوقات انسان اتنا محتاج ہے کہ وہ خود اپنی ضرورتوں کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا اور بعض اوقات جو کچھ اپنے لئے تجویز کرتا ہے وہی غلط ہوتا ہے وہی اس کے نقصان کا سبب ہوتا ہے لیکن وہ فرماتا ہے کہ تیرا اگر میرے ساتھ ایسا رشتہ ہو جائے کہ تو مجھ پر اعتبار کرنے لگ جائے اور جو ضرورت بھی تجھے ہو تو میرے در تک لے آئے۔ تیرا میرے بغیر کوئی نہ رہے جس کے سامنے تو دل کا حال کہہ سکے اور اگر میں کہہ دوں کہ فلاں سے بات کرنا چھوڑ دے تو تو چھوڑ دے تو مڑ کر نہ دیکھے اگرچہ دل کٹ جائے لیکن تو اس کی طرف نہ جائے اگر میں کہہ دوں کہ کھانا پینا چھوڑ دے تو تمہیں بھوک پیاری لگنے لگے اگر میں کہہ دوں کہ سونا چھوڑ دے تو تمہیں نیند سے نفرت ہو جائے اگر میں یہ کہہ دوں کہ تجھے گردن کٹوانا ہے تو تو قتل گاہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہو باوجود زندگی کے پیار کے تو نے میری محبت کو پا لیا' اسلام کو پا لیا' ایمان کو پا لیا' مقصد تخلیق کو پا لیا اور اگر تیرا سودا اسی تک رہا کہ میری یہ غرض پوری ہو میری وہ غرض پوری ہو تیرا دین بھی ایک تجارت بن جائے گا کاروبار بن جائے گا۔ منبر پر بیٹھ کر بھی تو شہرت کا طالب رہے گا۔ نمازیں پڑھا کر بھی تیری ضرورت جیب بھرنے کی رہے گی وعظ کہہ کر بھی تو لوگوں سے چندے لے گا۔ نیکی کا کام بظاہر کرنے کے اس کی تہہ میں اس کے اندر اس کے پیچھے تیری دنیاوی اغراض چھپی ہوں گی۔

تو یہ جو شاعر نے شکایت کی ہے کہ ہمیں بے بس کر کے باندھ دیا گیا بات اس سے چل رہی تھی اللہ نے ایسا نہیں کیا اسی نے کائنات میں حسن دیا اسے دیکھنے کے لئے کتنا لمبا نظام بنایا آنکھ دی' دماغ دیا اب اگر دماغ سلامت ہو آنکھ نہ رہے تو ہم دنیا کا حسن نہیں دیکھ سکتے۔ آنکھ سلامت ہو دماغ نہ رہے تو ہم دنیا کا حسن نہیں دیکھ سکتے۔ آنکھ بھی ہو ذہن بھی سلامت ہو تب ہمیں دنیا کا حسن نظر آتا ہے۔ اسی طرح جہاں اس نے مٹھاس بھر دی وہاں اس نے ہمیں قوت ذائقہ بھی دی اگر قوت ذائقہ ہی خراب ہو جائے تو

پھلوں کی مٹھاس ہم محسوس نہیں کر سکتے اسی طرح اس ساری مخلوق میں وہ کتنی حسین بھی ہو وہ مخلوق ہے۔ اس سارے بازار میں اس نے اپنا جمال جہاں آرا بھی سجا دیا لیکن اسے دیکھنے کے لئے انسان کا دل سلامت ہو اور اس میں نور نبوت ہونا چاہیئے۔

جس طرح بدن کو آنکھ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح انسانیت کی آنکھ ہوتی ہے اللہ کا نبی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جمال باری کے لئے آنکھ کا درجہ نبی اور رسول کا ہوتا ہے جو یہ دکھاتا ہے کہ اللہ کیسا ہے اللہ کہاں ہے اللہ کون ہے اور انسان کے وجود میں دل رکھ دیا جو اس جذبے کو پالتا ہے اور پال سکتا ہے جو اسے نبی کے ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اور اگر دل سلامت ہو اور اس کا تعلق اللہ کے نبی سے ہو جائے تو اسے اللہ کا جمال کھلی آنکھوں سے نظر آتا ہے اور ساری محبتیں اس پر قربان کرتے کرتے خوش ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اسے فرق نہیں پڑتا کہ اس نے پیٹ بھر کر کھایا اس کے لئے کوئی فرق نہیں ہوتا کہ اس کے لئے فاقہ آ گیا اس لئے کہ وہ لذت جو جمال باری میں ہے وہ اور کہیں نہیں ہے وہ اس کا اسیر ہو جاتا ہے باقی چیزیں ضمنی رہ جاتی ہیں اس کی ضرورتیں ہیں لیکن وہ ضمنی ہوتی ہیں۔ وہ ضرورتوں کا محتاج ہے لیکن ان کی حیثیت تابع ہو جاتی ہے اس لذت نظارہ کے جو اللہ کو دیکھنے سے اسے نصیب ہوتی ہے جو اس کے قریب سے ایک کیف پیدا ہوتا ہے جو اس کی رضا سے ایک لطف نصیب ہوتا ہے ساری بات اس کے تابع۔

آپ نے دیکھا نہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو کہ جب مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو جس جس دل کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ ادا بھائی اس پر کیا کچھ نہیں بیتا۔ اگر دنیوی اعتبار سے دیکھا جائے تو انہوں نے کیا کمایا اور دنیا کی کون سی مصیبت ہے جو ان پر نہیں ٹوٹ پڑی۔ دکھ کا کون سا پہاڑ ہے اور غم و اندوہ کا کون سا کوہ گراں ہے جو ان پر ٹوٹ ٹوٹ کر نہیں برسا لیکن کوئی بات تھی جس نے انہیں ایسا قائم کر دیا کہ بڑے سے بڑے ظلم کے پہاڑ ان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتے رہے ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نام و نمود سے لے کر مال و دولت تک عزت و آبرو سے لے کر گھر بار تک جائیداد اور ریاست سے لے کر تن کے کپڑوں تک انہوں نے ہر چیز کو چھوڑ دیا اگر نہیں چھوڑا تو اس لطف دیدار الٰہی کو جو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل نصیب ہوا۔

اس کا مطلب ہے اللہ نے انسان کو مجبور و بے بس بنا کر چھوڑ نہیں دیا بلکہ سارے کا سارا حسن سمو کر انسان کے لئے اسے مجسم کر کے انسانوں میں مبعوث فرما دیا اور فرمایا کہ دیکھو دنیا میں اور بھی حسین تو بہت ہیں لیکن اس کا کوئی مثیل نہیں۔ قدوقامت ہو، شکل و صورت ہو، عقل و فراست ہو، تعلیم و تعلم ہو، حسن ظاہر ہو یا جمال باطن ہو سارے کا سارا حسن اگر یکجا دیکھنا چاہو گے تو تمہیں میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں نظر آئے گا۔ اب اس روشنی کے مینار کو چھوڑ کر اگر تم خواہشات کے اندھیرے میں کھو جاؤ تو قصور کس کا ہے پھر یہ کہنا کہ اللہ تو نے ہمیں بے آسرا چھوڑ دیا ہاتھ پاؤں باندھ دیئے یہ تو زیادتی ہو گی۔ یہ تو شکوہ بے جا ہے۔ اس نے ہمارے اردگرد اگر خواہشات کا، ضرورتوں کا ایک سمندر پھیلا دیا ہے تو اس نے ایک مینار نور بھی ایسا کھڑا کر دیا ہے۔

پھر وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے کوئی خواہش پوری کرنے سے نہیں روکا یعنی اس نے اگر بھوک دی ہے تو کھانے کی اجازت بھی دی ہے لیکن فرمایا میں جو طریقہ بتاؤں اس طریقے سے رزق حاصل کرو اور جو سلیقہ بتاؤں اس سلیقے سے کھاؤ کہ پتہ چلتا رہے یہ کائنات تمہاری نہیں تمہارے مالک کی ہے اور اس کے بتائے ہوئے طریقے کے تم پابند ہو۔ تم بندے ہو تمہارا کوئی مالک ہے وہ طریقہ تمہیں اس مینار نور سے نظر آئے گا۔ اب اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روشنی حاصل نہ کریں اور اللہ کی

کائنات میں ایک شتر بے مہار کی طرح چیزوں کو روندتے پھیلانگتے کھاتے توڑتے چلے جائیں تو قصور کس کا ہے پھر تو شکوہ زیب نہیں دیتا اور یہی سارے کا سارا اسلام ہے۔

اب وہ کریم اتنا ہے کہ غرض ہمیں تھی ضرورت ہمیں تھی اور اس نے اس کا اتنا خوبصورت نظام بنا دیا کہ صرف ایک ہستی کی بعثت جو تھی وہ بس تھی اگر انسان میں ذرہ برابر انسانیت ہوتی تو وہ کبھی دامن مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ چھوڑتا لیکن اس پر اس نے بس نہیں کیا اس نے تمیں پارے اپنا ذاتی کلام عطا فرمایا ارے کسی کا تو ایک جملہ ساری زندگی فروخت کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے اس نے کہا تھا۔

من سی پارہ دل می فروشم
بگفتا قیمتش گفتم نگاہے

میں تو دل کے ٹکڑے بیچتا ہوں' کہا قیمت بتاؤ تو کہا ایک نگاہ کے بدلے بیچ دوں گا اس نے کہا کہ لین دین میں تو بھاؤ تاؤ ہوا کرتا ہے منہ مانگے دام تو نہیں ملتے

بگفتا کم تراست۔ اس میں کم کرو کہ گا ہے۔ زندگی میں کبھی اک نگاہ سہی ہم کون سا روز کی مانگتے ہیں۔ یعنی کسی کی ایک نگاہ پہ تو آدمی بک سکتا ہے کسی ایک جملے پہ فریفتہ ہو سکتا ہے اتنا کلام الٰہی جو اللہ کا ذاتی کلام ہو انسان کی ذات کو مخاطب کرے اور اسے تو کر کے' آپ کر کے' تم کر کے بات کرے روبرو ہو کر بات کرے اور تمیں پارے بات کرتا چلا جائے۔ نور جہان کے تو گائے ہوئے ایک شعر پر لوگ قربان ہو جائیں' غالب کے کہے ہوئے ایک مصرعے پہ لوگوں کی عمریں مٹ جائیں' کسی ڈوم کی ایک لے پر تو لوگ نثار ہو سکتے ہیں۔ نچھاور ہو سکتے ہیں اللہ کے کلام کا کوئی حسن کوئی شرینی کوئی لطف نظر نہیں آتا لوگوں کو۔ تو اس کا مطلب ہے کہ انسان اپنی انسانیت کھو چکا ہے۔ اللہ کی طرف سے کمی نہیں ہے۔

دیکھو بات کرنے والے کی بات کا اثر ہوتا ہے جو باتیں میں نے آپ سے کی ہیں یہی باتیں اگر کوئی دوسرا شخص کرے تو ممکن ہے اس کا اثر زیادہ ہو مجھ سے زیادہ بہتر طور پر متاثر کر سکے عین ممکن ہے وہ یہی باتیں کرے اس کا کوئی اثر نہ ہو بات میں اثر بات کرنے والے کی ذات کا ہوتا ہے اور آپ مسلسل کسی سے بات کرنا شروع کریں آپ کسی بھی ایسے انسان سے جو کسی فن کا ہو روزانہ اس کی باتیں سننا شروع کر دیں تو آپ کو اسی فن سے لگاؤ ہو جائے گا اور اس کے ساتھ آپ کا تعلق پیدا ہو جائے گا۔ آپ اس میں ملوث ہونا شروع ہو جائیں گے۔ یعنی بات کرنے والے کا اتنا اثر اس بات کے ذریعے بات سننے والے پر پڑتا ہے اور اس کی طرف جاتا ہے اب یہ تو عام آدمی کا تجربہ ہے روزمرہ کا۔

اگر اللہ کی بات کو مسلسل سننا شروع کر دیں تو وہ جو اس کا ذاتی کلام ہے اس میں اس کی ذات کا جمال نہیں ہو گا۔ اس کا پرتو نہیں ہو گا۔ اس کا اثر نہیں ہو گا۔ کتنے مضبوط اسباب بنائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی بے مثل و بے مثال ذات بنائی اپنا ذاتی کلام دیا جو مخلوق نہیں ہے اللہ کی صنعت ہے پھر ہماری زندگی کے ماہ و سال کے لمحے جو ہیں ان میں اپنا الگ الگ حسن سمو دیا۔

باقی لمبی بات کو چھوڑیں ماہ رمضان کو لے لیں دیکھو کتنا کریم ہے آدمیوں کو پکڑ کر ان کے منہ بند کر دیتا ہے' پانی سے روک دیتا ہے' کھانے سے روک دیتا ہے' نیند سے اٹھا دیتا ہے اور یہ ساری محنت کس لئے۔ اس پر اس سے گزرو کہ شاید تمہارا دل صاف ہو سکے تاکہ تم مجھے پا سکو غرض تو ہمیں تھی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اس لئے نہیں کہ راشن بچ جائے اس لئے نہیں کہ تم کھاؤ پیو گے نہیں تو کوئی بڑا کام ہو گا۔ اس لئے کہ **لعلکم تتقون**۔ تاکہ تم مجھ پہ فدا ہونے کی اہلیت حاصل کر سکو تاکہ میرے لئے کچھ قربان کرنے کا بھی تمہیں چسکا پڑ سکے۔ میرے لئے کبھی کھانے سے رک سکو' میرے لئے کبھی پینے سے رک سکو' میرے

لئے کبھی نیند چھوڑ کر اٹھ سکو تو شاید غیر رمضان میں بھی تم حرام کھانے سے اسی طرح رک جاؤ جس طرح رمضان میں حلال سے بھی رک گئے ہو شاید غیر رمضان میں بھی تم سحری کو اٹھ کر میرا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دو۔ جس طرح رمضان میں تمہیں تربیت دی جا رہی ہے۔ تو یہ ساری باتیں مل کر تمہیں میرے قریب لے آئیں گی۔

تقویٰ کیا ہوتا ہے۔ اللہ سے ایسی محبت جو اس کی نافرمانی سے روک دے تقویٰ کہلاتی ہے۔

پھر وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے ان دنوں میں اک عجیب اثر رکھ دیا۔ فرمایا یہ تو ایک مہینہ ہے پورا اپنی اثر پذیری اور متاثر کرنے کے اعتبار سے یہ ایسے موثر ہیں کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک روزہ کسی نے خلوص نیت سے اور اللہ کی رضا کے لئے رکھا تو زندگی بھر کے پہلے گناہوں کی کفالت کرے گا۔ اس کے لئے کافی ہے۔

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کوئی قید نہیں لگائی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ وہ گناہ کبیرہ ہے' صغیرہ ہے' چھوٹا ہے' بڑا ہے' تھوڑے ہیں' زیادہ ہیں' نہیں۔ فرمایا جس دن تو نے ایک روزہ خلوص کے ساتھ رکھا فرمایا سمجھ لو اس سے پہلے کے سارے گناہ معاف کرانے کے لئے کافی ہیں اور یہ گناہ کی معافی آپ سمجھتے ہیں کیا ہوتی ہے گناہ کی معافی کا معنی ہوتا ہے کہ جو دوریاں ہمیں اللہ کی ذات سے تھیں وہ درمیان سے نکل جائیں تو گناہ معاف ہو گئے۔ یہ جو آپ کا خیال ہے نا کہ قیامت کو پتہ چلے گا کہ گناہ معاف ہو گئے یہ محض خوش فہمی ہے اور ٹیپیکل Tipical ملاں کی بات ہے یہ۔ یہ پیشہ ور کی بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ گناہ معاف ہونے سے آدمی کو خود پتہ چل جاتا ہے کہ میں اللہ سے کتنا دور تھا اب میں کتنا قریب آ گیا ہوں درمیان سے کتنا فاصلہ گھٹ گیا ہے۔ فاصلے کا گھٹنا گناہ کی معافی کہلاتا ہے۔

ثواب کیا ہے۔ اللہ کے روبرو ہوں تو کوئی لطف آئے' اللہ سے بات کریں تو سواد آئے' سجدے کریں تو کرتے رہنے کو جی چاہے' یہ ثواب ہے۔ وہ لذت جو قرب الٰہی سے نصیب ہوتی ہے یہ ثواب ہوتا ہے۔ اسے شریعت میں ثواب کہتے ہیں آپ نے اگر سمجھا کہ کوئی بلینک Blank چیک ملے گا وہاں جا کر کام کرنے کا۔ زمانہ تو یہاں ہے مزدوری تو یہاں ہو رہی ہے اور ہر لحہ اپنی نقد اجرت دے کر جاتا ہے یا اللہ سے دور کر دیتا ہے یا اللہ کے قریب کر دیتا ہے جو کچھ یہاں سے لے کر جائیں گے وہاں تو وہ کچھ بھگتنا پڑے گا۔ وہاں مزید کچھ نہیں ملے گا۔

اِقْرَاْ کِتَابَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا۔ اپنا کردار اپنی کتاب پڑھ لے تو خود ہی اپنا بہترین جج ہے کہ تو مجھ سے کتنا قریب آیا یا مجھ سے کتنا دور چلا گیا قرب کا مظہر جنت ہے اور اللہ سے دوری کا مظہر جہنم ہے۔ جنت و جہنم کیا ہے۔ جنت کی حیثیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے قرب کے اظہار کا ذریعہ ہے دوزخ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ سے دوری کے اظہار کا سبب ہے' اس نے رمضان کی ایک ایک رات میں اثر رکھا کہ میرے اور میرے بندے کے درمیان جتنے فاصلے بڑھ گئے ہیں اگر ایک رات کا قیام کوئی کرے تو میں وہ فاصلے گھٹا دوں گا۔

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ اَوْکَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر اتنا کریم ہے اس نے کہا تھا بھی اس مہینے کے دس دن رحمت کے دس بخشش کے پھر چلو آخری عشرہ جو ہے اس میں اتنا عام کرتا ہوں اپنی بخشش کو اور اتنا قریب بلاتا ہوں انسان کو کہ اگر چاہو تو گھر بار بیوی بچے ہر چیز چھوڑ کر کچھ دن میرے ساتھ رہ کر دیکھ لو۔ کچھ نہ ہو تمہارے ساتھ کوئی سرمایہ نہ ہو کوئی مصروفیت نہ ہو کوئی بات کرنے والا نہ ہو کوئی دکھ سننے والا نہ ہو کوئی تکلیف بتانے والا نہ ہو کسی بچے کی فکر نہ ہو کوئی بیوی کی فکر نہ ہو کوئی کاروبار کی پریشانی تمام کائنات کو چھوڑ کر فرمایا کچھ دن میرے گھر مین

ایک گوشے میں صرف میرے ساتھ گزارو۔ کتنا اہتمام کیا ہے اس نے اپنے بندوں کے لئے کتنا کریم ہے اسے اعتکاف کہتے ہیں۔ پھر اس میں ایک ایک لمحہ شب کا لیلتہ القدر سمیت سمو دیا۔ تو بھائی لوٹ مچی ہوئی ہے کوئی لینے کو بڑھے لیکن دیکھو اگر کسی دکاندار کی دکان بھری ہوئی ہو اور آپ اس سے دال مانگیں تو کیا وہ آپ کو چینی دے گا اسے دینی نہیں چاہیے آپ نے دال مانگی وہ چینی دے دے تو آپ کہیں گے کہ اس کا تو دماغ خراب ہے پاگل ہے اگر اس سارے پراسس سے گزر کر بھی اللہ کے گھر میں رہ کر بھی طلب اللہ تک نہ پہنچی دنیا تک ہی رہ گئی تو وہ کیا اپنا جمال دے دے گا۔ یعنی دیکھو صرف رمضان کو نہیں لو صرف اعتکاف کی بات نہ کرو صرف اپنے ذکر کو مت لو اپنی طلب کو بھی تو دیکھو یہ ساری مشقت کر کے تم کیا لینا چاہتے ہو اگر لینا ہی تم دنیا چاہتے ہو تو سمجھتے ہو کہ اللہ مفت میں ساتھ مل جائے گا۔ ارے یہ سارا پراسس تو اس نے کرایا کہ اس دنیا کو پیچھے رکھو کرو محبت دنیا سے لیکن میری محبت سے بڑھ کر نہیں کرو۔ محبت میرے ساتھ کرو اس کے راستے میں جو محبت آئے اسے کاٹ لو۔ تو اگر اس نے اس طرح سے بازار سجایا ہے لوٹ مچی ہوئی ہے۔ لیکن وہ ایسا نہیں ہے کہ ہم مانگیں گے کچھ اور چیز وہ دے گا دوسری ایسا نہیں ہو سکتا وہ ایسا نادان نہیں ہے ساری دانائی تو وہاں پہ ختم ہوتی ہے وہی حکیم ہے اصل میں اور وہی دانا تر ہے تو جو کوئی جو مانگے گا وہی کچھ وہ پا بھی سکے گا۔ یہاں تو وہ پیور یفیکیشن آف ڈیمانڈ (purification of demand) ہمارا کام تو صرف اتنا ہے ہم نے کچھ نہیں دینا اس نے دنیا ہے ہمارا کام تو وہ ہے کہ ہم آپ کو یہ بتاتے چلیں کہ کیا مانگنا ہے۔ اگر یہ معاملہ سمجھ میں آگیا تو بات بن گئی اور اگر معاملہ اس میں الجھا رہا تو گویا اسلام کا ماحاصل یہ ہوا کہ انسان بھرپور زندگی گزارنے اولاد سے پیار کرے اس کی تربیت اس کی ذمہ داری ہے وہ حلال رزق کمائے کہ دنیا کا رزق انسان کی خدمت کے لئے ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ اچھا گھر بنائے شان سے رہے لیکن یہ ساری چیزیں اللہ کی اطاعت میں کبھی دیوار نہ بن سکیں اگر یہ سب کچھ نچھاور بھی کرنا پڑے تو اللہ کی اطاعت کو نہ چھوڑے یہ سب لٹا بھی سکے اور محبت جو شدید ترین ہو وہ اس ذات باری سے ہو وہ ملتی ہے بارگاہ رسالت و نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے دل دے کر اگر جرات ہے آدمی اپنا آپ بیچے اپنا دل بیچے۔

تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر
سر کٹانے کی تمنا ہے تو سر پیدا کر

اگر سر ہی بکا ہوا ہے تیرا خواہشات کا غلام ہے تو اسے کون لے گا۔ دل ہی اگر کباڑخانہ بنا ہوا ہے تو اس میں اس پر کسی کو تیر چلانے کی کیا ضرورت ہے بلکہ مختصر ترین الفاظ میں جو کہا تھا کسی نے۔

محبت کیا ہے تاثیر محبت کس کو کہتے ہیں پہلے نے تو کہا کہ آپ نے ہمیں تختے پہ باندھ دیا لیکن دوسرا بات کو سمجھ گیا کہتا ہے ایسی بات نہیں ہے محبت کیا ہے تاثیر محبت کس کو کہتے ہیں۔

"تیرا مجبور کر دینا میرا مجبور ہو جانا" کہ تم نے اتنے اسباب پیدا کیے تو نے مجھے باندھ کر رکھ دیا کہ تیرے سوا کسی کو نہ دیکھوں تیرا مجبور کر دینا میرا مجبور ہو جانا ہم نے محبت کر کے کمال نہیں کیا تو نے محبت کرا کے چھوڑا۔

اللہ کرے عشق کا بیمار تجھے بھی
اور روتا ہوا دیکھوں پس دیوار تجھے بھی

کسی کی ملامت کی فکر نہ رہے کسی کے طعن کا ہوش نہ رہے کوئی خواہش اسے اس دروازے سے ہٹا نہ سکے کوئی آنکھ اسے اللہ کی بارگاہ سے دور نہ لے جا سکے تو اس نے اسلام کو پا لیا حسن اسلام کو پا لیا اور اگر یہ کیفیت نصیب نہ ہو تو اللہ معاف کرنے والا ہے بھئی اللہ بندوں کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ یہ تو بندے ہیں اپنے لئے مصیبتیں پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ اپنے آپ پر خود ظلم کر رہے ہیں اللہ کو کیا پڑی ہے۔ کبھی آپ بندوق لے کر کسی چیونٹی کے پیچھے دوڑ رہے ہوتے ہیں کہ اسے مار کر دم لوں گا۔ بھلا آدمی کہتا ہے

اس کی کیا حیثت ہے چیونٹی تو ہماری طرح مخلوق ہے ہم بھی مخلوق ہیں وہ بھی مخلوق ہے وہ خالق ہے وہ بھلا مخلوق کے پیچھے لٹھ لے کر کہاں بھاگے گا کہ خواہ مخواہ مارتا پھرے اسے کیا ضرورت ہے اس کی شان تو بہت بڑی ہے آدمی کی حیثیت کیا ہے کچھ بھی تو نہیں۔

مصیبت یہ ہے اس نے جو راستہ چن لیا ہے اللہ سے دوری کا اس میں جو مصیبتیں جو پریشانیاں جو نشیب و فراز ہیں ان میں یہ خود کو خود گرا رہا ہے وہ تو اسے لحہ بہ لحہ صدا دیتا ہے کہ کہیں سے پلٹ آ تجھے واپسی کا سفر نہیں کرنا پڑے گا۔ جانے کا سفر تو نے اپنی مرضی سے کیا۔ سب سے زیادہ مشقت گناہ میں کرنی پڑتی ہے ہر جرم بہت مشکل ہوتا ہے تو راستہ بڑا کٹھن ہے اگر ساری زندگی تو اس مسلسل عذاب میں چلتا چلتا بہت دور نکل گیا تو فرماتا ہے تو صرف فیصلہ کر لے مجھے وہاں سے آواز دے میں تجھے واپس اچک لوں گا۔ کبھی آپ نے دیکھا کہ ساٹھ برس کے گناہوں کے لئے ساٹھ برس کی توبہ کی ضرورت ہو۔ ایک لحہ چاہیے وہ لحہ جب انسان فیصلہ کر سکے کہ مجھے واپس جانا ہے تو فرمایا میں وہاں سے تجھے لے لوں گا۔ اب اس سے زیادہ کرم کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ وہاں صرف ایک بات اس نے چھوڑ دی کہ ساری کائنات کو زبردستی نہیں پکڑتا اس لئے کہ سارا جہاں اس کی تقدیر کی زبردستی میں جکڑا ہوا ہے اس نے چاہا ایک مخلوق ایسی بھی ہو کوئی تو ایسا بھی ہو جو کبھی میرے پیار میں گردن جھکا دے اپنی پسند سے کائنات کا ہر ذرہ۔ **لا تتحرک ذرتہ الا باذن اللہ۔** کائنات کا ہر ذرہ میرے حکم کا اسیر ہے کوئی تو ایسا بھی ہو جو میرے جمال پہ فریفتہ ہو کر۔

کُنتُ کَنزاً مخفِیاً اَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ۔ میں نے چاہا کہ کوئی مجھ پر بھی نچھاور ہو کوئی میرا چاہنے والا بھی ہو کوئی میرا طالب بھی ہو تو میں نے انسانوں کو پیدا کر دیا اور اگر زبردستی پکڑ کر کھڑا کرتا ہے تو وہ بات تو نہ رہی کہ یہ تیرا چاہنے والا ہے اس کا قیدی ہوا۔ قیدی تو سارے ہیں تقدیر کی زنجیر میں تو ایک ایک ذرہ بندھا ہوا میرے دروازے پہ کھڑا ہے کسی کو میں کھلا چھوڑ دوں اور وہ میرا دروازہ نہ چھوڑ سکے کوئی تو ایسا بھی ہو تو وہ ایک مخلوق ہے انسان۔

پس اس کی ساری کمزوری صرف یہ ہے کہ یہ جب اپنے دل سے فیصلہ کر کے دور جانا چاہتا ہے تو یہ اسے زبردستی نہیں پکڑتا اگر زبردستی پکڑتا تو پھر یہ واپس نہ آتا۔

اللہ کریم اپنے کرم سے ہمیں اپنی محبت عطا فرمائے اگرچہ ہم اس کے اہل نہ ہوں ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اگرچہ وہ پہاڑ کے برابر ہوں ہمارے اس آنے جانے اور بیٹھنے کو اپنی ذات اور اپنی رضا کے لئے قبول کر لے۔

(17-4-90)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!
موت کو اکثر یاد کرو قبر پر کوئی ایسا دن نہیں گزرتا مگر وہ کہتی ہے کہ میں مسافری کا گھر ہوں۔ میں تنہائی کا گھر اور میں مٹی کا گھر ہوں اور کیڑوں کا گھر ہوں اور جب مومن کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے خوش آمدید میری پشت پر چلنے والوں میں سے تو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا۔ آج جب تو مجھے سونپ دیا گیا ہے اور میرے پاس آچکا ہے اب تو دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہوں۔ فرمایا کہ قبر اس کے لیے حد نگاہ فراخ ہو جاتی ہے اور اس کیلئے جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور جب کوئی بدکار یا کافر دفن کیا جاتا ہے تو اُسے قبر کہتی ہے میری پشت پر چلنے والوں میں سے تو مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا آج جو تو مجھے سونپ دیا گیا ہے اور میرے پاس پہنچ چکا ہے اب تو دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔ فرمایا قبر مل جاتی ہے اور اس کی پسلیاں چور ہو جاتی ہیں۔
(مشکوٰۃ ص ۱۴۲)

کیا اسلام بوجھ ہے

ملک محمد اکرم اعوان

اسلام کو ہم نے ایک بوجھ' ایک مصیبت یا اپنے لئے ایک مسئلہ سمجھ لیا ہوا ہے۔ بہت سے مسلمان جو اپنے آپ کو مسلمان کہلواتے ہیں عقائد کے اعتبار سے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارا ان سب باتوں پہ ایمان ہے۔ ضروریات دین پر ایمان ہے لیکن عملی زندگی میں' لین دین میں' کاروبار میں' معاملات میں' جو روش اپنائی جاتی ہے جو عام انسانی رواج ہوتا ہے یا جو غیر مسلموں کے ہاں یا ایسے لوگوں کے ہاں جن کا مذہب سے کوئی سروکار نہیں طریقہ کار ہے' وہی اپنایا جائے گا۔ اب اس کا تصادم اسلامی احکام سے ہو گا۔ یہ فطری اور لازمی بات ہے تو اس تصادم کو ہم یہ کہہ کر برداشت کرتے ہیں کہ یار یہ بڑی مصیبت ہے۔ اس زمانے میں کیسے ہو سکتا ہے بھلا۔ اس دور میں یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ بڑی پریشانی کی بات ہے اور بعض اوقات ہمیں اپنا آپ' اپنا ضمیر' اپنا باطن یہ کہہ کر پریشان کر دیتا ہے کہ اگر خود تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو' اپنے مسلمان ہونے کے مدعی ہو' تو پھر تم اسلام پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ ہم اپنے اس کیوں کا جواب بھی یہی دیتے ہیں کہ یار یہ بہت مشکل کام ہے۔ ایسا کرنا آسان نہیں ہے اور یہ کیسے پورا ہو گا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے خود کو دینی علم سے الگ کر لیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں دین سمجھنے کے لئے ایک خاص طبقے کا محتاج ہونا پڑا۔

جو لوگ دینی علم پڑھتے ہیں یا پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بہت ہی کم لوگ ہیں جو دین کو دین کے لئے پڑھتے ہیں۔ وہ ایک پیشے کے طور پر' ایک روزگار کے طور پر' ایک ذریعہ معاش کے طور پر' یہ علم حاصل کرتے ہیں اور جس طرح آپ کالج یا یونیورسٹی ڈگری لے کر کہتے ہیں کہ میرا حق بنتا ہے مجھے ملازمت ملے۔ انجینئرنگ کالج سے جو ڈگری لیتا ہے وہ کہتا ہے مجھے جاب ملنی چاہئے۔ میڈیکل کالج سے ایک آدمی ڈگری لیتا ہے وہ کہتا ہے میرا حق بنتا ہے مجھے جاب ملنی چاہئے' اسی طرح جو شخص دینی علم حاصل کر کے مدرسہ سے نکلتا ہے وہ کہتا ہے کہ اب میرا یہ حق بنتا ہے کہ مجھے کسی دینی مسند پر بٹھایا جائے اور مجھے تنخواہ بھی دی جائے۔ میرے کھانے پینے کا اہتمام بھی کیا جائے اور دینی قیادت میرے سپرد کی جائے۔ مگر یہ تصور سرے سے غلط ہے۔

دینوی علوم کے بارے بھی علماء کا خیال یہ ہے کہ علم ذریعہ معاش نہیں ہے۔ بلکہ علم تحصیل علم کے لئے حاصل کیا جاتا ہے۔ علم اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ کسی فن کو' کسی علم کو' کسی شے کو آدمی جان سکے۔ اس کے بعد یہ ضروری نہیں ہے کہ وہی اس کا پیشہ ہو۔ ایک آدمی میڈیکل میں سپیشلسٹ بھی ہو جاتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ ڈاکٹری کا پیشہ بھی کرے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ کپڑے کی

دکان بنا لے اور وہ میڈیکل سے واقف ہو۔ یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی کھیتی باڑی کرے اور وہ میڈیکل سے واقف بھی ہو۔ یہ کوئی ضروری' فرض یا واجب نہیں ہے کہ اس نے میڈیکل پڑھا ہے تو اب میڈیکل اس کا پروفیشن بھی ہو۔ علماء کا یا اہل علم کا خیال یہ ہے کہ علم برائے علم ہوتا ہے۔ علم جاننے کے لئے ہوتا ہے۔ علم ایک معلومات کا خزانہ ہوتا ہے۔ ذریعہ معاش علم نہیں ہے جو ذریعہ معاش معروف ہیں۔ ملازمت ہے۔ تجارت ہے یا کھیتی باڑی ہے۔ یہ معروف ذرائع ہیں ان میں سے ایک انجینئر ہونے پہ کوئی حرف نہیں آتا۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس نے انجینئرنگ کیوں پڑھی۔ یہ جاننے کے لئے۔ وہ جانتا ہے۔ کسی کے کام بھی آئے گا۔ ملک اور قوم کے کام بھی آئے گا۔ اپنے کام بھی کرے گا اور وہ بہتر کام کر سکتا ہے۔ اعزازی طور پر یا جب وہ محبت سے کسی کی بھلائی کے لئے کرتا ہے تو پیشہ ور سے کہیں زیادہ بہتر کر سکتا ہے۔

اگر دینوی علوم کا یہ حال ہے تو دینی علم تو ہے ہی دین کو سمجھنے کے لئے۔ دین ذریعہ معاش نہیں ہے بلکہ دینی نقطہ نگاہ سے دین کو ذریعہ معاش بنانا شرعاً" حرام ہے۔ یہ معروف پیشہ نہیں ہے۔ پھر اس لئے دین پڑھنا کہ میں روزی کمانے کے قابل ہو جاؤں اور اس لئے دین پر عمل کرنا کہ وہ میری روزی کا سبب بنے یہ شرعاً" جائز نہیں ہے۔ بلکہ حرام ہے۔

لیکن ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم میں سے جتنے لوگ دین پڑھتے ہیں ان میں سے بہت کم ایسے ہیں جو دین کو دین کے لئے پڑھتے ہیں۔ بہت کم خوش نصیب کسی علمی خاندان' کسی معروف علمی گھرانے کے لوگ جن کے ذرائع معاش مختلف ہیں۔ جو دین بھی سیکھتے ہیں کہ ہم دین کو بھی جان سکیں۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اکثریت جو ہے وہ دین کو بھی پیشے کے طور پر سیکھتے ہیں۔ دینی معاملے میں جب ہم ان کے پاس جاتے ہیں تو وہ ہمیں اس نقطہ نگاہ سے ایڈوائز کرتے ہیں جس میں ان کا اپنا ذریعہ معاش جو ہے اس کا فائدہ ہو یا کم از کم اسے نقصان نہ پہنچے۔ اس میں ہماری عاقبت بچتی ہے یا جاتی ہے۔ ہمیں دین سے محبت ہوتی ہے یا نفرت ہوتی ہے۔ ہم دین پر عمل کرنا آسان سمجھتے ہیں یا مشکل سمجھتے ہیں۔ یہ ان کا مسئلہ نہیں ہے۔ ان کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کے پیشے کی ضروریات اور تقاضے کیا ہیں اور کیسے پورے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مولوی یہی قرآن پڑھتا ہے' یہی حدیث پڑھتا ہے' یہی فقہ پڑھتا ہے' لیکن فتویٰ مختلف دیتا ہے۔ کتاب ایک ہے۔ نصاب ایک ہے۔ حتیٰ کہ دیو بندی بریلوی کتنا معرکہ رہتا ہے ہمارے ہاں۔ آپ دیو بندیوں کے مدارس میں جائیں' آپ بریلویوں کے مدارس میں نصابی کتابیں اٹھا کر دیکھیں۔ سب کی ایک ہیں۔ صرف قرآن و حدیث نہیں باقی سارا نصاب فلسفے تک سارا ایک ہے اور قرآن و حدیث تو پہلے سے ہی ایک ہیں فقہ ایک ہے لیکن پھر دونوں میں گولی چلتی رہتی ہے۔ یہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے یہ کہتا ہے وہ کافر ہے۔ وہ کہتا ہے یہ کافر ہے۔ اسی طرح ہر مولوی دوسرے سے مختلف کیوں ہے؟ اس لئے کہ سب کی ضروریات اور ان کے تقاضے مختلف ہیں فتوے ان کے مطابق دیئے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام بوجھ نہیں۔ اسلام ہے کائنات میں خوبصورت طریقے سے زندگی گزارنے کا نام۔ اسلام ایک طرز حیات ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے یہ کتاب تم پر بوجھ نہیں بنائی۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کتاب میں نے اس لئے نہیں دی کہ لوگوں کو باؤنڈ کر دوں اور انہیں رستے بانٹ دیئے جائیں اور انہیں محدود کر دیا جائے یہ بھی نہ کرو' وہ بھی نہ کرو اور انہیں تنگ کیا جائے۔ یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کائنات بہت وسیع ہے۔ انسان کی ضروریات بہت زیادہ ہیں۔ اس کے پاس وقت بہت تھوڑا ہے۔ سمجھنے کا' سیکھنے کا' جاننے کا' اور اس کے جو ذرائع ہیں علم کے وہ بھی بڑے محدود ہیں۔ تو جب تک وہ تجربات سے سیکھے گا۔ اگر کوئی تجربہ کر کے زہر سے بچنا چاہے تو زہر کھا

لیا تجربے میں وہ مر تو گیا پھر بچے گا کہاں۔ تو اس طرح سے مختلف برائیوں کا تجربہ کر کے اگر وہ یہ نتیجہ حاصل کرے کہ جھوٹ بولنے سے کیا ہو گا۔ زنا کرنے سے کیا ہو گا۔ چوری ڈاکہ کرنے سے کیا ہو گا۔ تو وہ کب تک بچے گا پھر اس سارے پراسس سے گزرنا کون سا آسان ہو گا۔ تو فرمایا۔

کتب۔ یہ بہت عظیم کتاب ہے **انزلنہ الیک۔** اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے اس لئے **لتخرج الناس** کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نکالیں **من الظلمت الی النور۔** ظلمت سے' تاریکی سے' مشکل سے' مصیبت سے' **الی النور۔** روشنی کی طرف' فراخی کی طرف' آسانی کی طرف۔ یعنی قرآن حکیم کے نزول کا مقصد جو ہے یہ ہے کہ لوگ دنیا میں بھٹکتے نہ پھریں۔ لوگ دنیا میں' اللہ کی مخلوق زندگی کی مصیبتوں میں نہ پھنسی رہے۔ مشکلات میں نہ رہے۔ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں نہ مارتے پھریں اور چار روزہ زندگی کو اس کی نذر ہی نہ کر دیں بلکہ یہ کتاب اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو ظلمات سے' تاریکیوں سے' گمراہی کی تاریکی سے' کفر و شرک کی تاریکی سے' جھوٹ اور بد دیانتی کی تاریکی سے' ہر برائی کی تاریکی سے نکال کر نیکی کے روشن راستے پر ڈال دے۔ اس لئے نہیں کہ لوگ پیسہ نہ کمائیں۔ اس لئے نہیں کہ لوگ کھانا نہ کھائیں' قرآن اس لئے نازل نہیں کیا گیا کہ اچھا کپڑا نہ پہنیں' قرآن اس لئے نازل نہیں ہوا کہ لوگ اچھا مکان نہ بنائیں' اس لئے نازل نہیں ہوا کہ کوئی شخص شادی نہ کرے' اس لئے نازل نہیں ہوا کہ کسی کے بچے نہ ہوں' اس لئے نازل نہیں ہوا کہ کسی کا اچھا سا گھر نہ ہو' نہیں' یہ نہیں۔ اس لئے نہیں بلکہ کمائیں خوب لیکن کمانے کے بہترین طریقے کیا ہیں۔ جن میں فائدہ ہی فائدہ ہے کمانے کا وہ اسلوب کونسا ہے؟ جس میں نقصان نہیں ہے وہ بتایا جائے۔ دکان بناؤ' مکان بناؤ' خوبصورت بناؤ' قیمتی بناؤ' اچھا بناؤ لیکن اس طرح بناؤ جس میں تم سکون سے رہ سکو۔ جس میں کسی کا خون شامل ہو گا' کسی کا حق شامل ہو گا' تو شاید زندگی بھر تم اس میں ایک دن سکون سے نہ رہ سکو۔ تو قرآن حکیم نے بنانے سے منع نہیں کیا' دوسرے کی چھینی ہوئی اینٹ گارا لگانے سے منع کیا ہے۔ تو اس طرح تمہیں تکلیف ہو گی۔ تمہیں نقصان پہنچے گا۔ تمہاری زندگی کے وہ لمحات جو تم سکون سے گزارنا چاہتے ہو' تباہ ہو جائیں گے۔ اس لئے نہیں کہ تمہاری بیوی ہی نہ ہو' شادی کرو لیکن اس کے قواعد یہ ہیں کہ بیوی پر تمہارے حقوق ہیں تو تمہاری بیوی کے تم پر حقوق ہیں۔ تمہارے سسرال کے تم پر حقوق ہیں' تمہارے والدین کے تم پر ادب و احترام کا حق ہے۔ اولاد ہو جائے تو اس کا یہ حق ہے۔ تو ان حقوق کو مدنظر رکھ کر اور ان حدود کو دیکھ کر کرو۔ منع تو نہیں۔ اسی طرح بچے پالنے سے' دوستی سے' دشمنی سے' کسی کام سے روکا نہیں بلکہ زندگی کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کا ایک خوبصورت اور آسان راستہ بتا دیا۔ بھئی کیوں اتنا تکلف کیا اللہ نے؟ جب لوگوں کے سامنے ایک وسیع کائنات ہے اس میں چیزیں ہیں۔ اللہ نے آنکھیں بھی دے دی ہیں' دل بھی دے دیا ہے' شعور بھی دے دیا۔ اب لوگ تلاش کرتے رہیں۔ فرمایا اس لئے کہ اللہ صرف اللہ نہیں ہے وہ رب ہے کائنات کا۔ وہ خالق ہے انسان کا۔ انسان کی ضروریات کا بھی اور ان کی تکمیل کے ذرائع کا بھی۔ وہ ایک ایک فرد کا پروردگار ہے۔ صرف پیروں کا نہیں ہے۔ صرف مولویوں کا نہیں ہے۔ صرف حکومت کا رب نہیں ہے۔ صرف حکمرانوں کا نہیں ہے۔ صرف مسلمانوں کا نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایک فرد کا رب ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا کہ کسی کے ہاتھوں کسی دوسرے کے حقوق مجروح ہوں۔ یہ اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔

رب کہتے ہی اسے ہیں جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت کو ہر لمحے پورا کر رہا ہو۔ تو جس طرح مومن کی ضروریات ہیں' کافر کی بھی ضروریات ہیں۔ جس طرح بڑے کی ضروریات ہیں' بچے کی بھی ضروریات ہیں۔ جس طرح خاوند کی ضروریات ہیں بیوی کی بھی ضروریات ہیں۔ تو اللہ جو

رب ہے کائنات کا' اس نے ایک نصاب ترتیب دے دیا۔ جس میں آپ کو بھی کوئی تکلیف نہ ہو اور آپ سے' آپ کے وجود سے' اور آپ کے عمل سے' ماحول ڈسٹرب نہ ہو۔ اور دوسروں کو بھی ایذا نہ پہنچے۔ آپ کو اپنے حقوق ملتے رہیں اور دوسروں کے حقوق ضائع نہ ہوں یعنی بحیثیت انسان کافروں کے حقوق بھی قرآن نے متعین کر دیئے کہ اس حد تک آپ جا سکتے ہیں اس سے آگے نہیں۔

کائنات میں تم نے بنایا تو کچھ نہیں۔ تمہارے عقل نے سوچا کچھ نہیں۔ تمہارے ہاتھوں نے محنت کوئی نہیں کی۔ کائنات کے ایک ذرے سے لے کر عرش عظیم تک ساری صنعت اس کی ہے۔ **لہ ما فی السموت و ما فی الارض**۔ سب کچھ اس کا ہے۔ وہ آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں' وہ اپنی ملکیت میں اندھے سانڈھ کی طرح کیوں چھوڑ دیتا۔ وہ تمہارا رب ہے اور تمہیں ہر تکلیف سے بچانا چاہتا ہے۔ تمہاری تربیت کرنا بھی اس کی شان میں شامل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارا اپنا تو کچھ بھی نہیں کہ تم جو جی چاہے لے لو۔ یا جی چاہے چھوڑ دو۔ ایسا تو تب کرو جب کچھ تمہارا اپنا ہو۔ جب سب کچھ اس کا ہے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ حدود متعین کر دے کہ یہ چیز تم لے سکتے ہو اور یہ فلاں لے سکتا ہے۔ اور پھر قرآن کا انداز عجیب ہے' بڑے دکھ بھرے انداز میں کہتا ہے۔

و ویل للکفرین۔ بہت افسوس ہے انسان پر کہ پھر اس نعمت کا انکار کر کے کفر اختیار کرتا ہے یعنی کتنا بڑا احسان تھا اللہ کریم کا کہ اسے ہم سے لینا کچھ نہیں ہے۔ ہم اگر اس کی بات نہ مانیں تو تکلیف ہمیں ہو گی' دنیا میں بھی' آخرت میں بھی' یہاں بھی۔ تو اس کے باوجود اس نے ہماری ایک ایک ضرورت چھوٹی سے چھوٹی ضرورت جوتے' کپڑے' کھانے پینے سے لے کر زندگی اور موت دوستی اور دشمنی تک تمام ضرورتوں کا ایک نصاب بنا کر ہمیں دے دیا کہ بھئی اس کے مطابق اگر تم عمل کرو گے تو تم مزے میں رہو گے اور نہیں کرو گے تو تمہیں تکلیف ہو گی۔ پھر یاد رکھو کہ یہ فلسفہ صرف اسلام نے دیا ہے کہ حیات صرف یہ نہیں۔ یہ دارالعمل ہے کہ آپ اپنے لئے کیا منتخب کرتے ہیں۔ یہ ایک مارکیٹ ہے اور آپ اس میں خریدار ہیں۔ یہ ایک بازار ہے اور آپ اس کے گاہک ہیں۔ اس میں سب کچھ سجا ہوا ہے' آپ اس میں سے کیا کیا خرید رہے ہیں۔ اپنا وقت' اپنی الیفرٹ' اپنی انرجی دے کر اس میں سے کچھ چیزیں آپ خرید رہے ہیں۔ زندگی وہ ہے جو آنکھ بند ہونے سے شروع ہوتی ہے۔ اس زندگی میں آپ کو نئے سرے سے کچھ نہیں کمانا ہو گا' نئے سرے سے کچھ نہیں خریدنا ہو گا' نئے سرے سے کوئی محنت نہیں کرنا ہو گی بلکہ اس زمانے میں جو خریداری آپ کر لیں گے وہی اس زندگی میں آپ کا سرمایہ ہو گی۔ اب آپ نے کیا خریدا یہ آپ کی پسند پر ہے لیکن رب جلیل نے ساتھ یہ ٹائم ٹیبل دے دیا کہ بھئی یہ چیز خریدو یہ مفید ہے اور یہ میٹھی ہے۔ یہ کڑوی ہے یہ مت خریدو۔ یہ کھاؤ گے تو بیمار ہو جاؤ گے یہ مت کھاؤ اور یہ کھاؤ تمہاری صحت کے لئے مفید ہے۔ اور یقینی طور پر بتایا' اندازے سے نہیں۔

اب اگر کسی شخص نے آپ کے ہاں ایک سال آ کر رہنا ہے۔ آپ اسے ایک ہفتہ دیتے ہیں کہ یہاں یہ مارکیٹ ہے۔ اس میں ساری چیزیں ہیں ایک سال کی ضروریات کی چیزیں بھر لو۔ پھر آپ اسے بتاتے بھی ہیں کہ اس مارکیٹ کی یہ چیز خالص ہے اور اس میں ملاوٹ ہے۔ یہ والا گھی جو ہے یہ صحت کے لئے مفید ہے' یہ والا زہریلا ہے۔ یہ والا غلہ جو ہے یہ بڑا خالص اور کھرا ہے۔ وہ والا جو ہے وہ کھانے سے آپ کا پیٹ خراب ہو جائے گا۔ یہ کھاؤ گے تو کینسر ہو جائے گا' وہ کھاؤ گے تو ٹی بی ہو جائے گی۔ ساری چیزوں کی آپ اسے فہرست دے کر چھوڑ دیتے ہیں کہ مارکیٹ میں جاؤ' خرید لو۔ اسے کیا یہ سوچنا چاہئے کہ آپ نے اس پر پابندی لگا دی ہے۔ اسے باؤنڈ کر دیا اور وہ سوچے کہ یہ تو میرے ساتھ بڑا ظلم ہوا۔ یہ ظلم ہے یا احسان ہے اس بندے کا جس نے آپ کے ساتھ اتنی نیکی' اتنی مہربانی

کی کہ وہاں جو جو چیز آپ کو تکلیف دینے والی تھی اس پر سرخ نشان لگا دیا کہ یہ مت خریدو۔ سیدھی سی بات ہے اب تو آپ کے پاس مارکیٹ میں پریشانی کی کوئی بات ہی نہ رہی۔ بھاؤ بتا دیئے۔ نرخ بتا دیئے۔ چیزوں کی کوالٹی بتا دی۔ اسی لئے قرآن حکیم نے بڑے عجیب انداز میں فرمایا۔

و ویل للکفرین۔ کتنا افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس بات سے انکار کر چکے۔ کفر اختیار کر چکے یہ کتنی عجیب بات ہے' کتنے دکھ کی بات ہے۔ یہ جو اس کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے کہ کافروں کے لئے جہنم ہے۔ یہ ترجمہ یہاں درست نہیں ہے۔ **ویل** محاورہ ہے عربی کا جو انتہائی افسوس کے وقت' انتہائی دکھ کے وقت یا جیسے ہم کہتے ہیں مارا گیا' تباہ ہو گیا' برباد ہو گیا۔ یہ تو بڑے دکھ کی بات ہے۔ اس کا تو کچھ نہ بچا۔ اس طرح ہم کہتے ہیں۔ اس طرح جب کہنا ہو تو قرآن حکیم کے انداز بیان میں کہا جاتا ہے۔

و ویل للکفرین۔ بڑے افسوس کی' بڑے دکھ کی بات ہے کہ آخر یہ بھی اسی رب کی مخلوق ہیں' یہ بھی انسان ہیں۔ فرمایا کافر ہونے کے باوجود میں نے ان کے حقوق فراموش نہیں کئے' میں نے کافر کے بھی حقوق متعین کر دیئے کہ کوئی شخص میری زمین پر کافر سے بھی ظلم نہ کرے' زیادتی نہ کرے اور پھر انہیں بتا دیا کہ کون سی چیز میں تمہارا نقصان ہے اور کون سی چیز تمہارے لئے مفید ہے۔ تو کتنے دکھ کی بات ہے کہ اپنی فائدے کی چیزیں' اپنے فائدے کے کام نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں یہ کام کر کے بھی بوجھ ہو گیا۔ یہ تو ایک ہم پر مصیبت ہے یہاں بھی پابندی ہے۔ وہاں بھی پابندی ہے۔ یہ بھی نہ کرو' وہ بھی نہ کرو۔ یہ تو مصیبت ہے۔ اسلام پر عمل تو بڑا مشکل ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں اگر صرف انہیں کا نقصان ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی چلو ایک عمل کیا' اس کے نتیجے میں آرام نہ ملا پریشانی مل گئی۔ چلو ٹھیک ہے۔ کاروبار کیا' نفع نہیں آیا' نقصان ہو گیا۔ چلو خیر ہے۔ فرمایا یہ جو دارالعمل ہے اس کے اعمال کو لے کر آپ کو دارالجزا جانا ہے اور وہ زندگی کبھی ختم نہیں ہو گی اور یہاں کی خطائیں وہاں بہت بڑی تکلیف کا سبب بنیں گی۔ فرمایا: افسوس ہے کافر پر۔

من عناب شدید۔ اپنے آپ کو کتنی بڑی سخت مصیبت میں ڈال رہا ہے' اپنے آپ کو تباہ کر رہا ہے۔ فرمایا۔

الذین یستحبون الحیوۃ الدنیا۔ اصل بات یہ ہے کہ بات ماننے کے لئے ایک جذبہ ہوتا ہے' جسے کہتے ہیں محبت۔ محبت ایک انسانی فطرت کا جذبہ ہے یہ محبت اطاعت کا سبب بنتی ہے۔ **ان المحب لمن یحب مطیع۔** کوئی بھی محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے' اس سے روگردانی نہیں کر سکتا' اس کی بات ٹھکرا نہیں سکتا' اس کی اطاعت اختیار کر لیتا ہے۔ تو فرمایا کافر نے اپنی محبت جو ہے وہ دنیا کے ساتھ جوڑ دی۔ غلطی یہ ہے کہ کافر نے' **الذین یستحبون الحیوۃ الدنیا۔** صرف دنیا میں جو زندگی ہے' دنیا کا جو کھانا پینا ہے دنیا کو جو عیش و آرام ہے اس پر وہ فدا ہو جاتا ہے۔ اس محبت نے اسے مروا دیا۔ اب وہ رطب و یا بس نیک بد میٹھا کڑوا جو بھی ملے وہ سمیٹنا چاہتا ہے غلط صحیح جو بھی ہو۔ تو اس کے مقابلے میں جو ہمیں بہت بوجھ لگتی ہیں عبادتیں' سب عبادات کا حاصل محبت الٰہی ہے۔ ہماری عبادات سے اللہ نے مکان نہیں بنانے۔ اس نے دیواریں نہیں اٹھانی۔ اس کا اس نے کوئی فائدہ نہیں حاصل کرنا بلکہ انسان کا رب کے ساتھ رشتہ کیا ہے صرف یہ کہ ہم مخلوق ہیں وہ خالق ہے' ہم عبادت کرنے والے ہیں اور وہ معبود برحق ہے۔ تو جتنے خلوص سے جتنے صدق دل سے ہم اس کے سامنے سر جھکائیں گے اتنی اس کی طرف سے شفقت و محبت عطا ہو گی۔ انسان اللہ کے ساتھ محبت کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ محبت اس چیز سے کی جاتی ہے جو اپنے احاطہ علمی میں آئے۔ جسے ہم چکھ سکیں' سونگھ سکیں' دیکھ سکیں۔ ہمارے علم کے اندر سما جائے۔ وہ چیز ہمیں خوبصورت لگے' ہمیں میٹھی لگے' ہمیں پیاری لگے' ہم سونگھ سکیں' ہم اس کی خوشبو سونگھ سکیں' ہم اس کا کوئی رنگ' کوئی بات تو ہو جو ہمارے نوٹس میں آئے۔ تو اس کی ذات تو ان سب باتوں

سے بالاتر ہے۔ انسانی علوم کی حدود سے بہت بلند ہے تو پھر اس سے محبت کیسے کریں فرمایا: تم اس کی عبادت کرو وہ تمہیں محبوب رکھے گا۔ انسان جب ایک جانور سے محبت کرتا ہے تو وہ جانور جواب میں محبت کرنے لگتا ہے۔ انسان کسی انسان سے محبت کرتا ہے تو وہ انسان جواب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہے یہ تجربہ کیا گیا ہے نباتات پر کہ ایک پودے سے اگر آپ محبت کریں' آپ چاہیں تو تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

دو گملوں میں دو پودے ایک ہی دن لگا لو۔ ایک پودے کو پیار سے پانی دو' دوسرے کو پانی اس سے زیادہ دیتے رہو لیکن اسے جھڑکتے بھی رہو نفرت کرو جس سے محبت کریں گے وہ زیادہ پروان چڑھے گا جس سے نفرت کریں گے وہ رفتہ رفتہ سوکھ جائے گا تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ محبت میں اتنی طاقت ہے۔ میں عجیب عجیب تجربے کرتا ہوں۔ میں نے ایک بندر باندھا ہوا ہے کبھی ہفتے میں ایک آدھ بار چوتھے دن تیسرے دن مجھے وقت ملے تو دو منٹ چار منٹ اسے میں دیکھتا ہوں پیار کرتا ہوں فروٹ دیتا ہوں اسے' باقی سارا وقت روٹین میں ہمارے ادارے کے جو ملازم ہیں وہ اسے کھانا فروٹ دیتے رہتے ہیں ان کا دینا روٹین کا ہے۔ میں اسے ہفتہ میں ایک دفعہ ملوں یا دو دفعہ ملوں تو میں اس سے محبت ہی کرتا ہوں اب اس کا حال یہ ہے کہ اگر وہ اسے کھانا بھی کھلا رہے ہوں دور سے میری آواز آ جائے تو وہ ان سے کہتا ہے بھاگ جاؤ۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے ایک جانور ہے۔ بے زبان ہے۔ میں اپنے کمرے سے نکل کر کسی سے بات کروں گا' وہاں سے چیختا ہے کہ میری بات بھی سنو۔ کتنی عجیب بات ہے ایک ہرن ہے کہتے ہیں ہرن کبھی نہیں پلا کرتا۔ یہ ہمارا شکاریوں کا ایک قانون ہے کہ ہڑیال جو ہے پل جاتا ہے لیکن ہرن نہیں۔ میں کھڑکی کھول کر اس کو آواز دے دوں کھڑکی کے ساتھ آ کر ٹانگیں اٹھا کر کھڑا ہو جائے گا' اندر آنے کا کوئی راستہ نہیں یعنی جو بھاگنے والا ہے وہ بھی اتنا اسیر ہو گیا۔ اگر انسانی محبت کا اس شدت سے ایک جانور جواب دیتا ہے تو اللہ جس سے محبت کرتا ہے اس کا کیا حال ہو گا۔ فرمایا

یحبھم۔ اللہ محبت کرتا ہے بندوں سے **و یحبونہ** جواب میں وہ اس کی محبت کے اسیر ہوتے ہیں۔

تو یہ عبادت ذریعہ ہے اللہ کی محبت کو حاصل کرنے کا۔ یہ بوجھ نہیں ہے۔ جسے ہم بیگار سمجھتے ہیں کہ بھاگے بھاگے آئے' آدھا گیلا' آدھا خشک' ایک پاؤں دھویا' ایک رہ گیا' رکوع کیا تو واپس نہیں گئے' سجدہ کیا تو دو کا ایک کیا' دوڑتے بھاگے جیسے کوئی بوجھ تھا پھینک کر چلے گئے۔ نہیں۔ یہ اس لئے نہیں ہے۔ یہ بڑے مزے سے' بڑے پیار سے' بڑے سکون سے' چند لمحے اس لئے ہیں کہ ان کے جواب میں ہمیں وہاں سے محبت ملے۔ وہ محبت جو جواب میں پھر ہمارے دل میں بھی اس کی محبت پیدا کر دے۔ جب اللہ سے محبت ہو گی تو دنیا کے جال سے' دنیا کی مصیبتوں سے بچ سکیں گے اور کافر محروم ہے اللہ کے ساتھ ایمان سے بھی' اللہ کے ساتھ محبت سے بھی۔ لہٰذا وہ اللہ کی محبت سے بھی محروم ہے۔ اور اس میں فطری جذبہ تو محبت کا ہے جس ذات کے لئے ہے۔ اس سے محروم ہے۔ اور ان کی محبت کا مرکز دنیا کی زندگی بن گئی۔ اب اس میں وہ اتنے دیوانے ہوئے ہیں کہ ہر کافر یہ چاہتا ہے کہ کوئی بھی اللہ سے محبت نہ کرے۔

و یصدون عن سبیل اللہ۔ ہر اس آدمی کو جو ان کی بات سنے اسے اللہ کی طرف جانے سے روکتے ہیں۔ اپنی طرف اپنے راستے پہ لگانے کے لئے دوڑتے ہیں۔

ویبغونھا عوجا۔ اور لوگوں کو غلط راستے پہ لگاتے ہیں' الٹی پٹی پڑھاتے ہیں' تباہی کی طرف دھکیلتے ہیں۔

اولئک فی ضلل بعید۔ یہ لوگ گمراہی کی بہت گہری دلدل میں گر گئے ہیں۔

تو آج کے چند لمحات کا ماحاصل یہ ہوا کہ دین بوجھ نہیں ہے۔ اسلام بہت مزے دار زندگی گزارنے کا نام ہے۔ بہت پرسکون' بہت آرام دہ لیکن اس کا مدار محبت پر ہے

باقی صفحہ ۳۰ پر

آج کی مسلمان عورت

محترمہ طیبہ جمیل

اس بار سعودیہ سے امریکہ کا سفر سعودی ایئر لائن کے ذریعے کرنے کا اتفاق ہوا۔ حسب توقع جہاز فل تھا۔ تمام لوگ گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے امریکہ جا رہے تھے۔ خلاف توقع واپسی پر جہاز خالی تھا۔ جو اس بات کی کھلی دلیل تھا۔ کہ آج کا مسلمان اپنی جیب اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے حرمین شریفین کی بجائے "کفر گڑھ" کا رخ کرتا ہے۔ واپسی پر ہم خالی جہاز میں خوب آرام کے موڈ میں تھے۔ کہ چند عرب بھائی شراب کے نشے میں دھت جھومتے جھامتے ہماری ساتھ والی نشستوں پر آ گرے۔ اور خوب غل غپاڑہ کرنے لگے۔ ہم سے اگلی سیٹ پر ایک بنگلہ دیشی خاتون ہماری طرح آرام کے موڈ میں چند خالی نشستوں پر نیم دراز تھیں جو عقیدے کی تو مسلمان تھی مگر لباس اس کے مسلمان ہونے کی پکار پکار کر نفی کر رہا تھا۔ جب کہ الحمدللہ ہم شرعی پردے میں تھے۔ اتنے میں نشے میں دھت عرب بھائیوں کی "نظر کرم" اس بنگلہ دیشی خاتون پر پڑی۔ وہ اپنی نشستوں سے اٹھے۔ اور شرف ملاقات حاصل کرنے کے لئے اس بنگلہ دیشی خاتون کی طرف بڑھے جو کہ آنکھیں بند کئے آرام فرما رہی تھی۔ ان عرب بھائیوں نے سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگا کر مرغولے اس کے منہ پر چھوڑنے جس سے ہڑبڑا کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر یہ اس کو "یا حبیبتی" جیسے فقرات کہہ کر چھیڑنے لگے۔ بے ہودہ کلمات سن کر وہ اپنی نشست سے اٹھ بھاگی۔ اور جہاز کے عملہ سے ان عرب بھائیوں کے بے ہودہ پن کی شکایت کی۔ کہ ساری عمر غیر مسلم ایئر لائنز کے ذریعے سفر کیا۔ آج تک ایسا بیہودہ پن ایسی لغویات نہ میں نے سنی اور نہ دیکھیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ مسلم ایئر لائن کے ذریعے سفر کیا اور اس طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسا کیوں ہے؟ تو عملہ نے ان عرب بھائیوں کو سرزنش کرنے کی بجائے خاتون سے معذرت کی۔ کہ ہم اس سلسلہ میں کچھ بھی کرنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ ان "VIP" وی آئی پی مسافروں کو روکنا ٹوکنا ان سے پوچھ گچھ کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا الٹا ہمارے لئے نقصان دہ ہے' خیر عملہ کا یہ جواب سن کر ہم دونوں جہاز کے دوسرے حصے میں چلی گئیں۔ پھر وہ خاتون خوب بولی۔ کہ یہ مسلمان ہیں؟ یہ کیسے مسلمان ہیں؟ یہ کیسا جہاز کا بکا ہوا عملہ ہے؟ یا کتنا غیر محفوظ سفر ہے اور یہ کہ ہمارے یہ مسلمان بھائی تو ان غیر مسلموں سے بھی گئے گزرے ہیں جن سے ایسی حرکات کی توقع بعید نہیں۔ تو اس کے یہ فقرات سن کر اس وقت میں نے اسے یہ فقرات کہے۔

"میری بہن ان نشستوں پر تم بھی اکیلی تھی اور میں بھی اکیلی۔ تم بھی خاتون ہو اور میں بھی خاتون۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ عرب بھائی تمہاری طرف لپکے۔ ارے وہ تو

نشے میں دھت ہو کر بھی اتنا شعور رکھتے ہیں کہ کونسا مال گھر کا ہے اور کون سا پرایا۔ وہ میری طرف کیوں نہیں بڑھے؟ کیونکہ میں پردے میں تھی اور ان میں یہ احساس زندہ تھا کہ یہ باحیا' باکردار عورت ہے۔ یہ اپنے گھر کی عورت ہے۔ تو وہ تمہاری طرف کیوں بڑھے؟ صرف پرایا مال سمجھ کر کیوں کہ ڈاکہ ہمیشہ پرائے مال پر ڈالا جاتا ہے۔ تو بجائے اس کے کہ ان عرب بھائیوں پر یا جہاز کے عملہ پر تنقید کرو۔ خود اپنا مواخذہ کرو۔ اپنے آپ کو دیکھو۔ کہ کیا وجہ ہے؟ کیا کمی ہے؟ کیا خامی ہے؟ کیا سبب ہے؟ کہ تم کو ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔"

یہ تو ایک چھوٹا سا واقعہ ہے۔ آج کی مسلمان عورت کی زندگی کا' اس کے کردار کا کہ وہ کس رستے پر چل رہی ہے اور کس طرف جارہی ہے۔ اس چھوٹے سے واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان عورت اپنا ایک تعارف رکھتی ہے' پہچان رکھتی ہے' ایک شان رکھتی ہے۔ وہ اپنی پہچان ہزاروں' بلکہ لاکھوں عورتوں میں بھی کروا جاتی ہے۔

حلقہ ذکر میں آنے سے پہلا ہمارا شمار بھی ان عورتوں میں ہوتا تھا جو "کفر گڑھ" کی پہچان تھیں۔ تو جو واقعہ میں بتانے جا رہی ہوں اسی کا تعلق ہماری اس زندگی سے ہے بات کچھ یوں ہے کہ میں اپنی یہودی دوست کے ساتھ Shoping Plaza گئی اس وقت پورے Shoping Plaza میں اتنا رش تھا۔ کہ ایک دوسرے کو ڈھونڈنا مشکل تھا کہ ان ہزاروں افراد کے رش میں ایک خاتون نظر آئی۔ جو سر پر سکارف باندھے ہوئے تھی۔ تو میری دوست نے بڑی نفرت و حقارت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"Look she is Muslim"

اس کا یہ جملہ سن کر میرے اندر چھن سے کوئی چیز ٹوٹی اور شاید یہ لمحہ آگہی کا تھا۔ کیونکہ وہ مسلمان عورت تو ہزاروں میں بھی پہچان کرا گئی۔ کہ میں مسلمان ہوں اور اس یہودی عورت نے بھی اپنی نفرت و حقارت کے اظہار سے اپنے یہودی ہونے کا ثبوت دے دیا۔ تو میں کیا ہوں؟ میرا شمار کن لوگوں میں ہو گا؟ میرا تعارف کیا ہے؟ میری پہچان کیا ہے؟ میں تو اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت بھی نہ دے سکی۔

یہودی عورتیں آج بھی اپنا سر Cover رکھتی ہیں اور اس مقصد کے لئے سر پر ایک "Cap" سی رکھتی ہیں۔ یعنی ان کے پاس سینہ ڈھانپنے کا کوئی تصور نہیں۔ کئی یہودی عورتیں تو مذہب کی پابندی کرتے ہوئے فیشن کے لئے "ٹنڈ" کروانے سے بھی گریز نہیں کرتیں اور اوپر "وگ" لگا لیتی ہیں اور اس بات کا ان کے پاس یہ جواز ہوتا ہے کہ حکم تو صرف بال ڈھانپنے کا ہے۔ تو ان پر ہم نے استرا پھروا لیا ہے۔ تو "وگ" ہے جو پردے کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔

ایک ہماری مسلمان عورت ہے جو پردہ نہ کرنے کی ہزاروں تاویلیں سناتی ہے جس میں سے ایک تاویل تو یہ ہوتی ہے "کہ ہمارے شوہر کو پسند نہیں" اس سلسلے میں ہم نے امریکہ کے مسلمان شوہروں کا "سروے" کر ڈالا تو اکثریت نے یہ جواب دیا کہ ہم روزی کمانے کے چکر میں صبح سے گھر سے نکلے رات کو واپس آتے ہیں۔ یہ بیویاں تو ہماری رائے لینا بھی گوارا نہیں کرتیں۔ اور دین کے مجرم قرار دینے میں ہمیں آگے کھڑا کر دیتی ہیں۔ اس سروے کے دوران ایک ۴۰ سالہ خاتون نے بالوں کا نیا نیا مردانہ کٹ کروایا۔ پوچھنے پر بولیں کہ ہمارے شوہر کو لمبے بالوں سے چڑ ہے۔ اتفاق سے شوہر صاحب دوسرے کمرے میں موجود تھے۔ ہم نے فوراً" ان کی مردانگی کو للکارا۔ تو بھری محفل میں برہم ہوئے کہ اس نے میری خواہش کے برخلاف مردوں جیسی شکل بنا لی ہے۔ اب تو میں اس کو بیگم کہنے کی بجائے "پا بلو" پکارتا ہوں۔ بہرحال دوسری طرف ایسے مرد بھی موجود ہیں۔ جو بیگم کو بازار حسن بنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

دو سال قبل ایک امریکن لڑکی نے ہمارے سامنے

اسلام قبول کیا۔ اس کی شادی بھی ہمارے ہاں ہی ہوئی۔ دو سال بعد دونوں سے ملاقات ہوئی تو لڑکی نے نیم برہنہ چست لباس پہن رکھا تھا۔ جو دیکھنا ہم پر بہت گراں گزرا۔ اس کے شوہر ہماری کیفیت بھانپ کر سخت برہم ہوئے۔ کہ آپ کون ہوتی ہیں اسلام کی ٹھیکے دار' میں جو چاہتا ہوں وہی کرتی ہے ہماری آپس میں بہت Understanding ہے۔ میری خواہش پر یہ سجتی سنورتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہم نے یہ سوچا کہ یہ تو آج کا نام نہاد مسلمان ہے۔ کیوں نہ ڈائریکٹ لڑکی سے بات کریں۔ اس کو جب یہ احساس دلایا کہ اس نے دو سال قبل خود کو اللہ کی شریعت اور رضا کے حوالے کر دیا تھا اب کیونکر ایک نامرد کے ہاتھوں بک گئی جو اللہ کی رضا کی خلاف ورزی کرنا اپنی انانیت سمجھتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ ساری باتیں تو میرے علم میں نہ تھیں' فوراً" اٹھی باپردہ لباس پہن کر آ گئی۔ ہم نے تو دیکھا ہے کہ امریکن مسلمان ہم سے ہزار گنا کھرے ہیں۔ اور ہم منافقت کی دلدل میں اپنی زندگیاں کھپا دیتے ہیں۔ کبھی اس کو اسلام کا نام دیتے ہیں کبھی آزاد خیالی کا اور کبھی Understaning کا۔ جہاں اس لفظ Understaning کو ہم سمجھ پائیں ہیں تو وہ یہ ہے کہ جس ذات باری نے ہمیں تخلیق کیا ہے اگر اس کے ساتھ ہمارا تعلق نہیں Understaning نہیں تو پرائے گھر سے لائی عورت سے یا مرد سے چند دنوں یہ کیونکر ممکن ہو سکتی ہے۔ اس کی تو پھر ایسی صورت سامنے آتی ہے۔ کہ ایک نہایت ماڈرن لاپرواہ نام نہاد مسلمان عورت نے جب یہی فقرہ بولا۔ کہ " ہم میاں بیوی میں تو بہت Understaning ہے۔" جب کہ پتہ چلا کہ بیوی بازار حسن کا چلتا پھرتا اشتہار اور شوہر زانی۔

قصہ مختصر حضرت جی مدظلہ نے انہی لوگوں کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے۔ ؎

یہ دنیا نگری اندھوں کی یہاں اندھے سارے رہتے ہیں
جنگل کے باسی بھی اندھے شہروں میں اندھے بستے ہیں
یہ دیکھ نہیں سکتے تجھ کو' پہچانیں گے کیا خاک بھلا
ہو دیکھا جس نے حسن تیرا اس پر آوازیں کستے ہیں
سیماب انہیں کچھ بھی نہ کہو دے سکو تو ان کو روشنی دو
شاید کوئی نکلے دلدل سے چل نکلے اب کے رستے میں

بقیہ :۔ کیا اسلام بوجھ ہے

جب ہمیں اللہ کی محبت نصیب ہو جوابا" ہمارے دل میں اس کی محبت پیدا ہو اور ہماری محبت اس کی ذات کے ساتھ منسلک ہو تب دنیا کی محبت سے ہم آزاد ہونگے اور تب اسلام پر عمل کرنے میں کچھ لطف بھی آئے گا۔ اور عمل کرنا ممکن بھی ہو گا اور اگر اللہ کی محبت نصیب نہیں ہو گی ہماری محبت اس کی ذات سے نہیں ہو گی تو وہ جو فطری جذبہ ہم میں ہے وہ کسی نہ کسی چیز کے ساتھ اٹچ ہو جائے گا جو ہمارے سامنے آ جائے گی اور وہ ظاہر ہے' دنیا ہی کی کوئی چیز ہو گی' کھانا ہو گا' لباس ہو گا' دولت ہو گی' اقتدار ہو گا۔

آپ نے دیکھا اقتدار کے لئے لوگ ساری ساری عمر جیلوں میں رہ کر مر جاتے ہیں۔ اپنے ملک کے لوگوں کو دیکھ لیں۔ ساری ساری عمر جیلوں میں رہے چند دن انہیں وزارت ملی پھر مر گئے بیچارے۔ انہیں کتنی محبت تھی اس اقتدار سے کہ اس سے تھکے نہیں۔ اسی طرح کسی کو پیسے سے محبت ہوتی ہے تو بھوکا پیٹ کاٹ کاٹ کر سوتا ہے۔ کروڑوں روپے جمع کر کے بیٹھا رہتا ہے' مر جاتا ہے' لوگ کھاتے ہیں لیکن وہ جمع کرتا ہی چلا جاتا ہے۔ تو جو جس محبت کا اسیر ہو جاتا ہے اس کے لئے وہ ساری مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں بلکہ اس میں لطف آتا ہے۔

اسلام سراسر محبت ہے' سراسر لطف ہے اور سراسر آسانی ہے لیکن فلسفہ یہ ہے کہ اللہ کی محبت حاصل ہو۔ اس لئے کہ ایمان نام ہی محبت کا ہے فرمایا۔

والذین امنو اشد حبا للہ۔ جنہیں ایمان نصیب ہوتا ہے وہ محبت الہیہ کے اسیر ہوتے ہیں شدت سے۔

تعلیمی انحطاط کے اسباب

ڈاکٹر خیال امروہوی

اخبارات کے مطابق پبلک سروس کمیشن پنجاب نے غیر معیاری پروفیسرز کی رپورٹ (جنہیں نالائق) کہا گیا ہے۔ گورنر پنجاب کی خدمت میں ار سال کر دی ہے افسوس یہ ہے کہ مستقبل میں تعلیمی خدمات انجام دینے والوں کے بارے میں اس رپورٹ نے ایک ایسے طبقے کو احساس ندامت میں مبتلا کر دیا ہے جسے معلم کے مقدس نام سے یاد کیا جاتا ہے؟ کمیشن کے فرائض اپنی جگہ درست' لیکن دیکھنا یہ ہے کہ نادرستی کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ تعلیمی اہلیت کا سنگ بنیاد "نرسری" سے شروع ہوتا ہے۔ ہائی سکول اور پھر کالج سے یونیورسٹی تک پہنچتا ہے۔ پہلی اینٹ ہی جب ٹیڑھی رکھی جائے تو ثریا کی بلندی تک دیوار ٹیڑھی ہی چلی جائے گی۔ (سعدی)

خشت اول چوں بند معمار کج
تا ثریامی رود دیوار کج

جب مدارس میں ٹیوشن بازی' کالج یونیورسٹی میں بوٹی مافیا کا مستقل رواج پڑ جائے تو پبلک سروس کمیشن کو ماہرین مضمون کس طرح دستیاب ہو سکتے ہیں؟ تعلیمی انحطاط کا گراف اونچا کس طرح ہو جبکہ بے روز گاری اور مہنگائی کا گراف کسی سال نیچے نہیں لایا جاتا۔ معروضی حالات کے پیش نظر تعلیمی تباہی کے اہم عوامل میں سیاست بازی' مستقبل سے مایوسی کے نتیجے میں نشہ پرستی' بے کاری اور ٹی وی' وی سی آر' دھڑا بند سیاست کی وجہ سے کلاشنکوف کلچر' یہ سب امراض جہاں موجود ہوں ایسی صورت میں امید واروں کی نا اہلیت کی رپورٹ اچنبہ نہیں کہی جا سکتی۔ تعلیمی اہمیت کے لئے پر امن تعلیمی ماحول کی ضرورت ہے' اس ضمن میں جب تک تعلیمی اداروں کو سیاسی تخریب کاروں سے محفوظ نہیں کیا جائے گا تعلیمی مقاصد میں بہتری یا توازن کا خیال بے معنی بات ہے۔

پرائیوٹ تعلیمی ادارے (جنہیں کاروباری منڈیاں کہنا زیادہ مناسب ہے) تعلیمی اہلیت کے لئے زہر قاتل ہیں۔ گزشتہ دہائیوں میں حکومتوں نے نجی تعلیمی اداروں کی حوصلہ افزائی' مالی سرپرستی وغیرہ کا جو پروگرام بنایا تھا' اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ بڑھتی ہوئی آبادی کے تعلیمی مسائل کو بہتر طور پر حل کیا جائے لیکن بد قسمتی سے ہمارے یہاں جو بھی تعمیری منصوبہ بنایا گیا وہ تخریب پر ختم ہوا۔ بقول غالب

مری تعمیر میں مضمر اک صورت خرابی کی
انسانی زندگی میں دیگر اشیائے ضروریہ کے علاوہ "بھوک" ایک ایسا شدید مطالبہ ہے' جسے آنکھ بند کر کے پورا کرنا پڑتا ہے۔ شیخ سعدی نے کہا تھا۔ "پراگندہ روزی پراگندہ دل۔" نوجوان نسل کو جب روزگار کی ضمانت ہی نہ ہو تو وہ کتابی کیڑا کیوں بنے۔ اپنے حافظے کو تباہ کیوں کرے؟ معاشی بد حالی میں ہر شخص کی خواہش یہی ہوتی ہے

کہ "جیسے تیسے" امتحان دے تاکہ نوکری مل جائے! پبلک سروس کمیشن امتحان کا میعار تو علامہ اقبال کے زمانے کا قائم رکھنا چاہتا ہے لیکن وزارت خزانہ معاشی طور پر کوئی معیار بھی قائم رکھنا پسند نہیں کرتی۔ ایسی انحرافی صورت حال میں پنجاب پبلک سروس کمیشن یا محکمہ تعلیم کو غزالی اور فارابی قسم کے اساتذہ کہاں سے ہاتھ آئیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ملک کو مستقبل میں جن اساتذہ کی توقع ہے' ان کی پرائمری کلاس کن حالات سے شروع ہوتی ہے۔ 85 فیصد دیہاتی آبادی میں جو بچے پڑھتے ہیں کیا وہ انگلش میڈیم میں پڑھنے والے بچوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ دیہاتی بچے جن معاشی مشکلات کو برداشت کر کے بی۔اے' ایم۔ اے کر جاتے ہیں' کمیشن میں تو وہ بھی آئیں گے اور چیفس کالج' ایف۔سی کالج کے امیدوار بھی آئیں گے لیکن ہر دو طبقات جن معاشی اور عمرانی منزلوں سے گزر آتے ہیں انکی اہلیت ایک جیسی کیسے ہو سکتی ہے؟

نصابی کتابوں کا یہ عالم ہے کہ جن کتابوں میں بدلتے سماجی تقاضوں کے پیش نظر تبدیلی ضروری ہے' ان میں کبھی تبدیلی نہیں لائی جاتی اور کتابوں کے اسباق کی افادیت مسلم ہے ان کی جگہ آئے دن تبدیلی لائی جاتی ہے۔ ان تبدیلیوں کی اہم سازشی وجوہ کا تو سبھی کو علم ہے لیکن اسی طرح بچوں پر جو غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں ان میں بے مقصدیت سر فہرست ہے۔ مثلاً" ایف۔اے اور بی۔ اے کی بعض نصابی کتابوں ہی کو لیں۔ اردو کے کلاسیکی شعراء کا رومانی کلام۔ اس قسم کے عاشقانہ کلام سے نئی نسل کی سوچ اخلاقیات یا ادبی استعداد میں کیا اضافہ ہو سکتا ہے؟ عاشقانہ فارسی اور اردو کی غزلوں سے کیا مقصد حاصل ہوتے ہیں' اگر مقصد یہ ہے کہ بچوں کو کلاسیکی زبان و بیان سے روشناس کرایا جائے تو کلاسیکی شاعری یا نثری ادب میں بھی ایسا مواد موجود ہے جو غیر رومانی ہے۔ بامقصد بھی ہے اور با افادیت بھی! بی۔ اے فارسی الیکٹو (ELECTIVE) میں سعدی کی جو رومانی غزلیں گزشتہ صدی سے چلی آرہی ہیں' بالخصوص گرلز کالجوں میں' اساتذہ کب تک بے مقصد رومانی شاعری کی متصوفانہ تشریح کرتے رہیں گے؟ انہیں کب تک یہ بتایا جائے گا کہ عشق مجازی اور ہے اور عشق حقیقی اور ہے۔ در حالیکہ فارسی ادبیات میں اخلاقی مضامین کی کمی نہیں۔ اسی طرح ایف۔اے کی انگریزی ہے' جب ہماری دیہی بلکہ شہری آبادی بھی لندن اور امریکہ سے ناواقف ہے' انہیں نہ وہاں کی مقامی انگریزی بول چال کا علم' نہ لب و لہجے سے شناسائی' نہ ضروریات زندگی کے ناموں کی معلومات لہٰذا خواہ مخواہ بچوں کو مصیبت میں مبتلا رکھنا کہاں کی دانائی ہے؟ مثلاً" پاکستان میں اب تک سڑکوں پر ایسے عوامی ٹیلی فون نہیں لگائے گئے جن میں سکہ ڈال کر استعمال کیا جاتا ہے لیکن نصابی کتاب میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ بچے کس طرح سمجھیں گے؟ نصاب کا بنیادی مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کے ذہن میں وہ سب چیزیں مجسم ہو جائیں جنہیں بذریعہ کتاب پڑھایا جا رہا ہے؟ ہمارے اس چیز کا خیال نہیں رکھا جاتا' لہٰذا ابتداء ہی سے طلباء میں ایک ایسا معلوماتی خلاء رہ جاتا ہے جو بڑی کلاسوں میں پہنچنے تک بدستور قائم رہتا ہے!

ملک میں موجودہ طبقاتی نظام کی وجہ سے نصاب بھی ایک جیسا نہیں ہے' تعلیمی ماحول ایک طرح کا نہیں ہے' زیادہ فیس والے مدارس اور کالجز کے معاشی مقاصد اور ہیں جبکہ پس ماندہ علاقوں کے تعلیمی مقاصد بجز بیکاری اور بے روزگاری کچھ اور نہیں۔ دیہی آبادیوں میں ایسا ایسا "ٹیلنٹ" موجود ہے کہ شہروں میں بھی جس کی مثال نہ ملے لیکن ناقص تعلیم' بے وسیلہ مدارس اور کالجز' کم تنخواہ والے بے اختیار اساتذہ کی وجہ سے باصلاحیت طلباء کا پس ماندہ رہ جانا منطقی بات ہے۔ اس پر لطیفہ یہ کہ پنجاب پبلک سروس کمیشن بے وسیلہ افراد کو نالائق بھی کہتا ہے سوال یہ ہے کہ لائق افراد آسمان سے تو نازل نہیں ہوتے! جب نااہلوں کو اہل بنانے کا پروگرام ہی نہ ہو' وسائل ہی مہیا نہ کئے جائیں بلکہ لیاقت و قابلیت کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جائے تو یہ کہنا کہاں تک درست ہو گا کہ "نالائق افراد کو جب کہیں

جگہ نہیں ملتی تو وہ پبلک سروس کمیشن کے تحریری امتحانات میں شرکت سے اپنا اور کمیشن کا وقت بلکہ دماغ بھی خراب کرتے ہیں!"

پبلک سروس کمیشن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ امیدوار کی متعلقہ مضمون میں معلومات دیکھ کر "لائق یا نالائق" کا سرٹیفکیٹ عطا کرے جبکہ نظام تعلیم ہی ایسا ہے کہ " معلومات عامہ" سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ موجودہ تعلیمی نظام لکیر کا فقیر یا نقال بناتا ہے' عالم نہیں بنا سکتا! حیرت یہ ہے کہ جس میٹرک کے طالب علم یا بی اے' ایم اے پاس کو حروف تہجی کی شناخت بھی نہ ہو۔ ذال (ذ) کی جگہ (ز) لکھے اور (ط) کی جگہ (ت) استعمال کرے اسے لائق کیسے قرار دیا جا سکتا ہے لیکن یہ غیر ذمے داری تو ان اساتذہ کی ہے جو خود بھی ابتدائی علمی معلومات سے ناواقف ہوتے ہیں! پبلک سروس کمیشن کے امیدواروں کا کہنا یہ ہے کہ " کمیشن" میں غیر مربوط سوالات کئے جاتے ہیں۔ اردو' انگریزی کے انٹرویوز میں دعائے قنوت یا نماز جنازہ دریافت کی جاتی ہے جبکہ امیدوار اردو کے انٹرویو کے لئے غالب اقبال اور فیض کا رٹا لگا کر جاتا ہے۔ اسی طرح انگریزی میں شیکسپیئر' ورڈز ورتھ' کالرج یا ڈرائیڈن کی جگہ "امریکی ورلڈ آرڈر" کا استعماری پروگرام دریافت کر لیا جائے (پولیٹیکل سائنس) کا سوال ہے تو انگریزی ادب کا طالب علم تو یقیناً بغلیں جھانکے گا! مطالعہ پاکستان والوں سے اسلامیات کے سوال کئے جائیں تو غیر سائنسی بات ہو گی۔ علمی سوالات کی جگہ ذاتی سوالات سے نفسیاتی طور پر غلط اثر پڑتا ہے کیونکہ ذاتی سوالات سے بوجوہ خاصی دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح فارسی اور عربی زبان ادب کے طالب علم سے پوچھ لیا جائے کہ عراق اور ایران آٹھ سال تک کیوں لڑتے رہے تو اس قسم کے سوالات سے نو آموز (new-hand) کا پریشان ہو جانا نفسیاتی پریشانی پیدا کر سکتا ہے۔ کمیشن کے ارباب استفسار کو جاننا چاہئے کہ آج کا انحطاط پذیر نظام تعلیم خود بخود پیدا نہیں ہوا بلکہ اسے تباہ کرنے میں ہم سب شامل ہیں۔ ملک کا داخلی اور خارجی نظام فوج اور پولیس کی مضبوطی چاہتا ہے۔ تعلیمی استعداد کی موجودہ نظام کو بظاہر کوئی ضرورت نہیں' لہٰذا امیدواروں سے ہمدردانہ رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

ترقی یافتہ ممالک نے سمعی و بصری وسائل سے تعلیمی ضروریات و استعداد بڑھانے کا کام لیا جبکہ ہم نے انہی وسائل کو عیاشی کا ذریعہ بنایا' اگر بیرونی قرضوں سے تعلیمی اداروں کو مضبوط بنایا جاتا تو تعلیمی زوال کی یہ صورت نہ ہوتی۔ کسی بھی ملک کے عروج و زوال کا جائزہ یا تجزیہ مطلوب ہو تو سب سے پہلے اس کی عمرانی زندگی' معاشی صورت حال اور تعلیمی اداروں کا مطالعہ کیا جائے۔ پاکستان آبادی کے اعتبار سے دنیا کا چھٹا ملک ہے جبکہ تعلیمی اعتبار سے تاحال سولہ فیصد شرح خواندگی کی حد سے آگے نہیں نکل سکا۔ یہ صورت حال اس امر کی بین دلیل ہے کہ گذشتہ حکومتوں نے تعلیم' سوشل اداروں' تہذیبی اور ثقافتی ترقی کے پراجیکٹس پر توجہ مبذول کرنے کی جگہ غیر پیداواری اداروں پر وقت اور رقم خرچ کر ڈالی۔

بورژوا دانشور اگر یہ کہیں کہ ادب' زبان' تہذیب و ثقافت وغیرہ بیکار موضوعات ہیں' جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور دورہ ہے' سائنس کی بات کرو! لیکن تجرباتی سائنس کی ترقی کے سلسلے میں بھی کون سا قابل ذکر کارنامہ سر انجام دیا گیا ہے جسے تاریخی کہا جا سکے! عالم یہ ہے کہ کالجز اور یونیورسٹیوں کی سائنس "لیبارٹریوں" میں خاک اڑتی نظر آتی ہے۔

جبکہ زبان و ادب کے مقابلے میں کم از کم سائنسی شعبوں میں تو رونق اور مصروفیت آنی چاہئے تھی؟ سائنسی ریسرچ' مقالات' سیمینار وغیرہ تو ایک طرف "سائنس میگزین" کا نام و نشان تک معدوم ہے۔ کیا اسی طرح سائنسی ترقی ہو سکتی ہے؟ اس ضمن میں یہ کہنا بے جا ہو گا کہ "فنڈز" نہیں ہیں' گرانٹس تو ہر سال دی جاتی ہیں البتہ یہ کہیں کہ وہ غائب ہو جاتی ہیں' اس میں طلباء کا کیا قصور

مختصر یہ کہ اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ طلباء کو سیاست بازی کے گرداب سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہئے بلکہ تعلیم کے دوران سیاست میں حصہ لینا قابل تعزیر تصور کیا جائے۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ ایم۔ این۔ اے ' ایم۔ پی۔ اے طبقے کو سخت نوٹیفکیشن کے ذریعے متنبہ کریں کہ طلباء کو سیاست میں ملوث کرنے سے باز رہیں۔ ٹیوشن کے کاروبار کو جس صورت سے ممکن ہو ختم کیا جائے' فیسوں میں کمی کی جائے' تعلیمی ماحول کو بہتر بنایا جائے' "ڈائریکٹر ایجوکیشن" کیا کام کرتے ہیں۔ ان حضرات سے جو بھی جائز مطالبہ کیا جاتا ہے جواب ملتا ہے۔ ڈی۔ پی۔ ڈی یا سیکرٹری سے بات کرو۔ اساتذہ کی کمی یہ پوری نہیں کر سکتے۔ سکولوں اور کالجوں کا دورہ کر کے قابل ذکر اصلاحات یہ نہیں کر سکتے۔ سکولوں اور کالجوں کا دورہ کر کے قابل ذکر اصلاحات یہ نہیں کر سکتے۔ تعلیمی نتائج کی نگرانی ان کے بس کا روگ نہیں تو پھر ان حضرات کی آخر کیا ضرورت ہے؟ پرنسپل حضرات بے اختیار' ڈائریکٹرز بے اختیار تو پھر علاقائی اختیارات کن لوگوں کے پاس ہیں؟

دعائے مغفرت

سلسلہ عالیہ کے ساتھی

۱۔ محمد امین (ڈسکہ) کی ہمشیرہ محترمہ

۲۔ مرزا عبدالحق (راولپنڈی) کے والد محترم

۳۔ ماسٹر نذیر احمد (ملتان) کے والد محترم

۴۔ سعید احمد کی بیوی

کے لئے تمام ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

روح کی تعریف

"روح ایک جسم ہے' جو اپنی ماہیت کے لحاظ سے اس محسوس جسم عنصری کے مخالف ہے وہ جسم نورانی علوی ہلکا' زندہ اور متحرک ہے جو تمام اعضاء بدن میں نفوذ کر جاتا ہے۔ بدن میں اس کا سریان ایسا ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی' زیتون میں روغن اور کوئلہ میں آگ کا سریان ہوتا ہے۔"

روح نورانی جسم ہے جو مکمل طور پر اس بدن کی شکل پر ہوتا ہے جس میں وہ ہے۔ روح کی شکل بعینہ وہی ہوتی ہے جو بدن کی شکل ہے جس میں وہ روح داخل کی گئی ہے۔

سکون کیا ہے

نفس کی صفت غفلت اور شہوت کو مجاہدہ اور ریاضت سے کم کیا جا سکتا ہے۔ ان رذائل کو قلت طعام قلت کلام' تخلیہ اور تقویٰ سے کم کیا جا سکتا ہے۔ ان رذائل کی کمی کا نام اصطلاح صوفیہ میں سکون ہے۔ سکون کے تین مدارج ہیں۔ اول' سکون تام و کامل یہ درجہ اطمینان کا ہے' اس درجہ میں نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں۔ دوم' سکون غیر تام و غیر کامل' یہ نفس لوامہ ہوا۔ سوم' عدم سکون (مطلقاً) یہ نفس امارہ ہوا۔

استغراق کی حقیقت

استغراق ایک کیفیت ہے' اس کی صحیح حقیقت تو مستغرق کو ہی معلوم ہوتی ہے' مگر اتنا بیان کیا جا سکتا ہے کہ اس میں جسم کی مادی آنکھیں محو خواب ہوتی ہیں مگر قلب بیدار ہوتا ہے آدمی باتیں سنتا ہے' وضو ٹوٹ جائے تو معلوم ہو جاتا ہے' جس طرح بیداری میں معلوم ہوتا ہے۔

منجانب :۔ ساجد برادرز باڑا بازار راولپنڈی — اقتباسات دلائل السلوک

روحانیت

ملک محمد اکرم اعوان

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔

اللہ جل شانہ نے تخلیق انسانی کا مقصد صرف ایک بات کو قرار دیا ہے کہ انسان اور جن یہ دونوں تخلیقات اس غرض سے ہیں **لیعبدون** کہ یہ میری عبادت کریں۔ عبادت کا مفہوم جو مفسرین کرام نے بیان فرمایا ہے وہ ہے **لیعرفون** کہ یہ میری معرفت حاصل کریں۔ کیونکہ عبادت کسی رسم کا کسی رواج کا نام نہیں ہے عبادت نام ہے اس اطاعت کا اس عاجزی اور نیاز مندی کا جو اللہ کی عظمت کو جان لینے سے انسان کے دل میں خود بخود پیدا ہو جائے۔

جس طرح لوگ بجلی سے واقف نہیں تھے ان کے دل میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی جب اس کی ایجادات سامنے آئیں لوگوں کو اس کی افادیت سے خبر ہوئی پھر اس کے ساتھ لگ جانے سے یا کسی غلط استعمال سے اس کا نقصان ہو جاتا ہے ساری دنیا یہ سمجھتی ہے کہ گھر میں بجلی کی تار شارٹ ہو جائے تو سارا گھر جل سکتا ہے ساری دنیا یہ سمجھتی ہے کہ چھوٹے بچے کا ہاتھ لگ جانے سے وہ مر سکتا ہے بڑے آدمی کو لگ جائے تو مار سکتی ہے لیکن اس سب کے باوجود بجلی کے فوائد لوگوں کو اتنے عظیم ہیں کہ یہ ساری باتیں سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ احتیاط کر لیں گے بچ جائیں گے لیکن بجلی ضرور لگوانی چاہیے۔

اسی طرح دوسری ایجادات کا آپ اندازہ کر لیں جب تک موٹر نہیں بنی تھی گزارا ہوتا تھا سب دنیا گزارا کرتی تھی۔ لیکن جب بنی اور اس کی افادیت سامنے آئی تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں لوگ لاکھوں لوگ سڑک پر تڑپ کر جان دے دیتے ہیں موٹر کی وجہ سے لیکن ان حادثوں کے بعد کوئی شخص موٹر کی سواری چھوڑ بھی دیتا ہے کوئی نہیں چھوڑتا اس لئے کہ اس کے فائدے بھی بہت ہیں۔

اسی طرح جب کسی کو عظمت باری کا شعور ہو جاتا ہے اور اپنے شعور کے مطابق پھر اللہ کی عظمت اس کی جلالت اور اس کے جمال کا کچھ احساس ہو جائے تو از خود یہ فطری امر ہے از خود انسان اپنے آپ کو فنا کر لینا چاہتا ہے۔ یہ اس کا منطقی نتیجہ ہے اور یہ صلاحیت جو ہے یہ اطاعت ہے اور یہی اطاعت عبادت کہلاتی ہے امتحان و آزمائش پھر ہے کہ انسان کو عالم امر سے متعلق اس کی لطیف روح کو بدل کر عبادت گزار کر دے اس عالم آب و گل میں اس آزمائش سے دو چار کر دیا گیا ہے۔ کروڑوں نعمتیں اس میں پھیلا دیں رب کریم نے اور لاکھوں حاجتیں اس کے وجود کو لگا دیں جن میں طرح طرح کی لذت پنہاں ہے۔

پھر ایسا کریم ہے کہ اس نے صرف یہ پابندی رکھی کہ یہ ساری نعمتیں تمہارے لئے ہیں لیکن تم ان کو استعمال کرتے وقت اپنی رائے استعمال نہیں کرو گے بلکہ میرا حکم مانو گے کرنا تو وہی کچھ ہے جو اس دنیا میں رہ کر ہر آدمی کو کرنا

ہے کمانا کھانا گھر بنانا بچوں کا پالنا سب ہی کرتے ہیں لیکن اس سارے پراسس میں خداوند عالم یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کی ساری رنگینیاں بھی مل کر انسان سے وہ لذت چھین نہ لیں جو اسے جمال باری سے آشنا کر دے۔

اب اس طرف تو خداوند کریم نے بہت معمولی چیزیں رکھی ہیں کچھ کھانے کی کچھ پینے کی کچھ پہننے اوڑھنے کی لیکن دوسری طرف اس نے نبوت و رسالت جیسی عظیم نعمتیں بھیج دی ہیں۔ اور اس میں کتنی لذت اور کتنا لطف اس میں پنہاں کر دیا ہے۔ کہ نبی کے الفاظ مقدسہ جہاں تک پہنچے پتھروں درختوں پہاڑوں کو سیراب کر دیتے ہیں۔ انسان تو انسان ہیں خشک کڑیاں تک محبت کا اظہار کرتی ہیں۔

اور ارواح انسانی کو وہ نورانیت اور وہ جلا ملی کہ جب آپ صحابہ کرام کی زندگیاں دیکھتے ہیں تو ان کی زندگیوں میں دونوں باتیں نظر آتی ہیں۔

کہ نبی رحمت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے سامنے آئے جہاں سے بھی حضور کے ہاتھ آئے وہاں سے اٹھا کر اللہ کے روبرو کھڑا کر دیا اور دنیا کی کوئی ایسی مصیبت نہیں جو ان پر نہ گزری ہو۔ اور کوئی ایسا نشان نہیں جو ان کے راستے میں نہ آیا ہو اور کوئی ایسا ظلم اور کوئی ایسا جو روجفا نہیں جو ان پر بیت نہ گیا ہو لیکن وہ اللہ کی طرف سے منہ نہ پھیر سکے کیونکہ وہ رب کریم کو روبرو پاتے تھے۔

ایک حبشی غلام ابن غلام اپنے آقا کی ساری سختیاں جھیل جاتا ہے پتھروں کے نیچے پستا ہے آگ کے اوپر ڈالا جاتا ہے مارا جاتا ہے لیکن وہ اتنے یقین سے پھر بھی کہتا ہے **احد' احد' احد** جیسے وہ خدا پاک کو دیکھ رہا ہے تب کہہ رہا ہے۔ وہ اسے ان ظلم کرنے والوں سے قریب تر دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے کہ وہ چاہے تو ان کے ہاتھ مشعل کر سکتا ہے۔ اگر وہ شل نہیں کرنا چاہتا تو میں تو یہ کہنے کی جسارت بھی نہیں کرتا کہ خدایا ان کے ہاتھ شل کر دے۔

یعنی اتنا قرب نبی کریم نے ان لوگوں کو دے دیا کہ انہیں بات کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے وہ دیکھ رہا ہے وہ خود ان کے ہاتھوں کو روک سکتا ہے نہیں روکتا تو پھر اس کے خلاف میں اسے کیوں درخواست کروں۔

یہاں آکر اکثر سوئی اٹک جاتی ہے ہم جو اکثر تبلیغ کرنے والے لوگ ہیں ہم صحابہ کی تکلیف بھوک اور افلاس یہ ساری چیزیں بیان کرتے ہیں۔

مصیبت میں رب کریم کو قریب محسوس کرنا اگرچہ بہت بڑی بات ہے کہ لیکن یہ مشکل بھی نہیں ہے۔ جس قدر مشکل راحت و آسودگی اقتدار و وقار میں ہے۔ کسی آدمی پر جب تکلیف پہنچتی ہے تو اگر معاملہ رب کریم سے درست کرے تو اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے کہ جب وہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا اس کا ہر لفظ قانون بن رہا ہو تو وہ اللہ کریم کو اپنے قریب تر محسوس کرے۔ اور کوئی ایسی بات کرنے کی جرات نہ کرے جو اللہ کو نا پسند ہو یہ بہت مشکل ہے۔

صحابہ کرام کی زندگی کا دوسرا دور تب شروع ہوتا ہے جب اللہ کریم نے روئے زمین کو ان کے قدموں میں جھکا دیا اور کوئی آدمی تصور نہیں کر سکتا کہ کسی طرح مٹھی بھر لوگ جو خانہ بدوش اور بگڑے ہوئے لوگ تھے جن کا کوئی مستقبل نہیں تھا انہیں ایسی عظمت ایسی شوکت نصیب ہوئی کہ جو انسانی ذہن سوچ نہیں سکتا ہے کہ کسری کی حکومتیں ان کے قدموں میں پامال ہو جاتی ہیں کسری کی سلطنت وہ سلطنت تھی جس کے بارے میں مورخین کا خیال یہ ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد روئے زمین پر جو حکومت وجود پذیر ہوئی وہ یہی سلطنت تھی جو نسلاً بعد نسلاً کسری تک پہنچی۔ اور تب سے لے کر کسری تک ایک ہی خاندان میں حکومت رہی اندازہ کریں کے صدیاں بیت گئیں ایک خاندان کو حکومت کرتے دنیا کو لوٹتے چھینتے سونا چاندی جمع کرتے ان کے پاس اسقدر مال و دولت تھا کہ وہ سونے چاندی زیور و جوہرات کے باغات بناتے تھے کسری نے بہت بڑے تختے بنا کر اس پر سونا چاندی کے درخت لگا کر ہیرے اور جواہرات پھلوں اور

پھولوں کی طرح جڑوا کر ایک سیر گاہ بنا دی تھی اسقدر مال و دولت اس کے پاس تھا۔

خدا تو بہت قدیر ہے کہ انہیں صحرا نشینوں کو سارے کا سارا دے دیا یمن کے خزانے معروف تھے تاریخ پر اللہ کریم نے ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیا قیصر کی سلطنت اسی دور کی سپر پاور تھی جو ان قدموں میں اللہ نے ڈھیر کر دی اور ان کے اونٹ سونے جواہرات اور سونے سے لد کر مدینے منورہ کو لوٹے بیت المال میں اور صحابہ کرام میں سے میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بچا ہو جس کے پاس اربوں روپے دولت جمع نہ ہو گئی ہو زیور و جواہرات نہ ہوں۔

لیکن کمال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ یہ ساری دولت انہیں اللہ کے جمال سے دور نہ کر سکی۔ اور اربوں پتی ہونے کے باوجود ان کی زندگی ویسے تھی جیسے رب کریم روبرو ہو۔ افلاس میں مصیبت میں مجبوری میں تکلیف میں اگر وہ اللہ کو روبرو دیکھتے تو جب وہ محروم دنیا کے تین حصوں پہ حکمران تھے چین اور ہندوستان کی آخری سرحد سے لے کر ہسپانیہ تک اور جنوبی افریقہ سے لے کر سائبیریا تک نقشے پر لکیر لگا کر دیکھی باقی بچتا کیا ہے یہ تو معروف سلطنت تھی نا مسلمانوں کی۔

لیکن اس سلطنت کے عظیم کریم حکمران خود نماز پڑھاتے تھے خطبے دیتے تھے نکاح پڑھتے تھے اور اللہ کے لئے اپنے کندھوں پر آٹے کی بوریاں بھر کر لے جاتے تھے کتنے عظیم لوگ تھے۔ جن کی فوجیں روئے زمین کو مسخر کر رہی تھیں ان کی پیشانیاں بارگاہ الوہیت سے اٹھا نہیں کرتی تھیں۔

یہ افریقہ کی ایک جنگ کا قصہ ہے۔ مسلمان فوجوں نے جنگل سے گزرنا تھا دیر ہو گئی امیر لشکر نے کہا یہیں پڑاؤ ڈال دو تو مقامی لوگوں نے بتایا کہ یہ جنگل رہنے کے قابل نہیں یہاں کی تو مکھی کسی کو کاٹ لے تو موت کے سوا اور کوئی کچھ نہیں سوجھتا۔ اور طرح طرح کے زہریلے حشرات الارض اور درندوں سے بھرا پڑا ہے جنگل۔ یہاں اگر آپ چند لمحے بھی غافل ہو جائیں تو ان سپاہیوں کا ایک ایک ٹکڑا کسی درندے کو آئے گا۔ انہوں نے فرمایا اچھا ٹھہر جاؤ میرے لئے ایک ممبر بناؤ کیسے بنائیں فرمایا دو تین پلان ایک دوسرے کے اوپر رکھ دو۔ اس پر کھڑے ہو کر انہوں نے آواز لگائی اے جنگل کے مکینوں درندوں حیوانوں سے مخاطب ہو کر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کے خادم اللہ کے دین اور آپ کی سنت کی اشاعت کے لئے اس براعظم میں پہنچے ہیں۔ یہاں ہمیں رہنا ہے اور تمہیں مطلع کر رہے ہیں کہ تم از خود یہ جنگل کا حصہ خالی کر دو اگر نہیں کرو گے تو ہم کرا لیں گے لیکن اس وقت تمہاری کوئی فریاد نہیں سنی جائے گی تمہیں حق حاصل نہیں ہو گا اس بات کا۔

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے کہ درندے اور بڑے بڑے اژدھے اور حشرات الارض تک کیڑے مکوڑے اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے جنگل میں آگ لگ گئی ہو۔ جانوروں اور درندوں نے جنگل خالی کر دیا لیکن ان کی گردنیں اللہ کے احکام کے سامنے کبھی بلند نہ ہوئیں۔ نہ کبھی انہیں اپنی تکلیفوں پہ رنج ہوا نہ کبھی انہوں نے اپنی فتح پر ناز کیا نہ زر و جواہر انہیں اللہ کی اطاعت سے باز رکھ سکے۔ اس سب کا اصل سبب کیا ہے وہ سرود الٰہی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلوب میں بھر دیا وہ میری تمہاری طرح لوگوں کے ڈرانے سے خدا سے نہیں ڈرتے تھے وہ میری اور آپ کی طرح لوگوں کے رغبت دلانے سے خدا کے احکام کو نہیں جانتے تھے بلکہ ذاتی طور پر خود کو اللہ کے روبرو پاتے تھے۔ اس لئے وہ اس کی نافرمانی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

تیس (۳۰) سالہ عہد نبوت میں ایک واقعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مورخین کو ملا ہے جس کو لے کر بڑے افسانے تراشے گئے ہیں اور اس سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ صحابہ بھی عام انسان ہی تھے۔ لیکن جناب آپ واقعہ کی اس صورت کو دیکھیں کہ اس شخص کو کتنا قرب نصیب تھا اللہ کا کہ وہ میدان حشر تک اس کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر ازخود عرض کیا

کہ مجھ سے یہ غلطی ہوئی ہے اس کی سزا دی جائے میں اللہ سے شرمندہ ہوں۔ کوئی گواہ نہیں کوئی گرفتار کرنے والا نہیں کوئی واقعہ بیان کرنے والا نہیں۔ حضور نے رخ انور پھیر لیا تو دوسری طرف آکر خود عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سچ کہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تجھے غلطی لگی ہو گی۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے خود کیا۔ فرمایا جب اللہ نے کسی کو نہیں بتایا کسی انسان نے نہیں دیکھا کوئی تیرے خلاف بات نہیں کرتا تو تو اس بات کو اپنے اور اللہ کے درمیان کیوں نہیں رہنے دیتا۔

یا رسول اللہ ؐ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا میرے رب نے اس کی جو سزا ارشاد فرمائی ہے وہ مجھے دی جائے۔ اور سزا کیا تھی کہ پتھروں سے مار مار کر موت کے دروازے تک پہنچایا جائے دنیا سے رخصت کر دیا جائے اس حال میں کہ ہر دیکھنے والا اس پر پتھر پھینکے۔ لیکن وہ قرب الٰہی جو اس شخص کو بھی نصیب تھا اسے تب تک چین نہیں لینے دیتا تھا جب وہ چورا چورا ہو کر اللہ کے سامنے پیش نہ ہوا۔

تو آپ اسے ولایت کہیں اولیاء اللہ کہیں قرب الٰہی کہیں یا مسلمانی کہیں یہ اس کیفیت کا نام ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ کے روبرو پائے **وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ** تم جہاں بھی رہتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ مسجد میں بازار میں ہر محفل میں کھیت میں کام کاج میں جنگ میں صلح میں بیوی بچوں کے ساتھ یا والدین کے ساتھ لوگوں کے ساتھ کسی کے ساتھ تم کیا کرتے ہو یہ خدا دیکھ رہا ہے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں وہ تمہیں دیکھ رہا ہے تمہاری بات سن رہا ہے۔ تم پر مصیبت آرہی ہے تو وہ تم سے دور نہیں تمہارے پاس اقتدار و وقار ہے تو اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں۔

لیکن انسانی مزاج ایسا ہے کہ انہیں جنہیں براہ راست نور نبوت نصیب ہو اور بیک آن وہ اس منزل تک پہنچ گئے جب یہ نادر موقع اور بے نظیر دور ختم ہوا۔ حضورؐ اس دنیا سے پردہ فرما گئے عالم برزخ میں تشریف لے گئے پھر کیا ہم کیا کر سکتے ہیں۔ رب کریم نے ہمیں اس سے محرم نہیں رکھا۔= انسان مختلف دو کیفیتوں سے گزرتا ہے اور ایک روحانی ایک مادی۔

اگر مادہ غالب آجائے تو روحانیت دب جاتی ہے روحانی قدریں دب جاتی ہیں انسان مادی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر روحانیت غالب ہو جائے تو اوصاف ملکوتی پیدا ہوتے ہیں زمین پر اس طرح سے رہتا ہے جس طرح فرشتے آسمان پر رہتے ہیں اس کے ہر کام میں ایک تقدس آجاتا ہے۔

رب کریم نے حضورؐ کی شریعت کی حفاظت کا انتظام کر دیا ہے آپ کی برکات کو دوام بخشا اور ساتھ عبادات ایسی لگا دیں کہ ہر آدمی اگر چاہے تو اپنے آپ کو اپنی حیثیت کے مطابق اس سے متمع کر لے۔ اس طرح اسی ضمن میں رمضان المبارک ظہور پذیر ہے دیکھیں رمضان کی شکل دیکھیں اس کی رحمت دیکھیں نہ صرف شیطان کو بلکہ ہر باغی جن کو جو شیطنت پر کسی کو امادہ کرتا ہے وہ اسے بند کر دیا جاتا ہے۔ اس کی رحمت عامہ ہے کہ شیطان کو اس کے سارے معاونین کو بند کر دیا جاتا ہے اپنے بندوں کو حکم دے دیتا ہے کہ سحری سے افطاری تک کھانا پینا معطل کر دو تاکہ تمہاری مادیت اور مادی قوتیں گھٹنا شروع ہو جائیں اور روحانیت اور روحانی قوتیں مضبوط ہونا شروع ہو جائیں پھر جو ایسا کرتا ہے اس پر اپنی خاص رحمت کرتا ہے صرف یہ نہیں کہ ہمارے قوت کار کے مطابق نتیجہ پیدا ہو گا بلکہ فرماتا ہے کہ روزہ تم رکھو اس پر جو کچھ دینا ہے وہ میرا فیصلہ ہے میں کسی کو بتاؤں گا نہیں بتاتا ہی نہیں نماز پڑھے گا تو فلاں ہو گا فلاں نیکی پہ یہ اجر ملے گا۔ جہاد پر یہ اجر ملے گا لیکن جب روزے کی باری آئی فرمایا **اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ** روزہ خالص میرے لئے ہے اور میں جو اس کا بدلہ دینے والا ہوں وہ لکھنے پڑھنے اور حساب کی بات نہیں ہے پھر اس کے ساتھ ارشاد ہے جنتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور جہنم کے در بند کر دو۔

ایک اور عجیب بات حدیث قدسی میں ملتی ہے۔ کہ اللہ کریم خود آسمان دنیا پر جلوہ افروز ہوتے ہیں فرماتے ہیں ہے کوئی مانگنے والا کوئی بخشش چاہنے والا ہے اسے بخش دوں یہ ایک استعارہ ہے اللہ کریم ہر جگہ موجود ہے فرمایا انسان کے قریب تر رحمت باری ہے یعنی جتنی رحمت و شفقت اللہ تعالے سے انسان پر قریب تر رمضان میں ہوتی ہے وہ غیر رمضان میں نہیں ہوتی۔

شیطان اور اس کے سارے معاون قید ہو گئے جہنم کے دروازے بند ہو گئے انسان کو فرشتوں کی طرح کی زندگی ملی۔ کھانا پینا جماع سارے موقوف ہو گئے صرف اللہ اللہ کرنے کا حکم اور پھر اپنی تجلیات اس کے قریب تر کر دیا اور اس سارے انتظام سے اگر کوئی شخص دامن بچا کر اور اپنا ہاتھ چھڑا کر جہنم ہی کو بھاگ جانا چاہتا ہے تو اس کا ذمہ صرف اس پر لاگو ہوتا ہے۔

یہی بات شیطان بھی اجازت چاہے گا رب العلمین سے خدایا مجھے ان لوگوں سے بات کرنے دے جس کا حساب ہوتا ہے وہ مجھ کو برا کہتا ہے ان سے مجھے بات تو کرنے دو بات ہو گی تو وہ کہے گا **وَلَآ تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** مجھے کیوں ملامت کرتے ہو اپنے آپ کو ملامت نہیں کرتے تم وہ ہو جنہوں نے اللہ کی بات چھوڑ دی حالانکہ وہ حق تھی اور میری بات مان لی حالانکہ جھوٹ بولتا ہے تم بھی مجھے ملامت کرتے ہو۔

یہ ایسا کرم ہے رب جلیل کا اس کی عطا کا حساب بڑا عجیب ہے۔ جس نے خلوص سے روزہ رکھا اسے میری ذات پر یقین حاصل ہوا۔ ایمان اس یقین کا نام ہے۔ جو اسے اللہ کی ذات پر ہے۔ اور روزہ اس غرض سے رکھا کہ وہ اپنا محاسبہ کر لے **غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ** جو کچھ بھی وہ کر چکا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے اسے معاف کیا۔ یہ کوئی قید نہیں لگائی صغیرہ کی کبیرہ کی کفر کی شرک کی بت پرستی کی کچھ بھی کرتا رہا۔ اب ایمان لے آیا۔ اس کا ایمان درست ہے اور اس نے محض میری رضا کے لئے اور اپنا احتساب کرنے کے لئے روزہ رکھا تو ایک روزہ ساری زندگیوں کی غلاظتوں کو کھو دینے کے لئے کافی ہے۔ اور جب وہ پورا مہینہ مسلسل رکھا جا رہا ہے۔

ایک بات اس سے یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جب ہم رمضان المبارک میں بھی گناہوں سے باز نہیں آتے تو کم از کم رمضان کے گناہوں کا ہمیں شیطان کو طعنہ نہیں دینا چاہئے ..... اس سے ہمیں اندازہ یہ کرنا چاہئے کہ ہمارے اندر خود کوئی شیطنت پیدا ہو گئی ہے۔ کوئی شیطان ہمیں گناہ پر نہیں اکسا رہا وہ تو قید ہو گیا..... ہم اپنے آپ کو نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر دیں یہ کہہ دیں کہ یا رسول اللہ یہ وجود میرا نہیں یہ آپ کے قدموں کی خاک ہے آپ اسے سردی میں ڈالنا چاہیں تو سردی میں ڈال دیں گرمی میں جلانا چاہیں تو گرمی سے جلائیں بھوکا رکھنا چاہیں تو یہ بھوکا رہے اسے سیر ہو کر کھلانا چاہیں تو یہ سیر ہو جائے جیسا آپ چاہیں اس کے ساتھ سلوک ہو یہ میرا نہیں یہ آپ کا ہے جو وجود حضور کے اختیار میں دے دیا گیا کم از کم اس کو دوزخ کی آگ نہیں جلا سکتی۔ پھر وہ حضور الٰہی سے محروم نہیں رہ سکتا۔ پھر گناہوں کی کوئی سیاہی اس پر باقی نہیں رہ سکتی لیکن شرط یہ ہے کہ حضور چھینے گے نہیں ڈھیر ہمیں کو کرنا ہے۔

ہم اس امید پر جیتے ہیں کہ شاید کوئی ایسا عجیب حادثہ ہو گا اور گناہ صاف ہو جائیں گے یہ درست نہیں ہے۔ اللہ کریم جب اس موضوع پر خطاب فرماتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے۔ **قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ** وہ ہو چکا جو کچھ ہونا تھا تمہارے پاس اللہ کی کتاب بھی اللہ کا نور ہدایت بھی اللہ کا نور رحمت بھی اور نور ہدایت بھی اللہ کی طرف سے ہر قسم کی روشنی تمہارے پاس پہنچ چکی اس کی کتاب ہدایت پہنچ چکی کسی نئے حادثہ کا انتظار مت کرو۔ کوئی نہیں آئے گا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی کتاب نہ کوئی نور نہ کوئی نبی تم کس کے منتظر ہو آنے والا آ چکا ہے۔ اب تمہاری باری ہے سب اس کے

دروازے پر آ جاؤ۔

جو شخص اپنے آپ کو حضور کے قدموں میں لے گیا اس نے رمضان کا مزا پا لیا اور اگر اس کو یہ حاصل نہیں ہو سکا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے اپنی زندگی کا ایک رمضان اور کھو دیا۔ اب یہ اللہ کی مرضی کہ آنے والے رمضان تک کس کس کو مہلت دے۔

کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

یہ عجیب اللہ کی شان ہے کہ یہ نئے آنے والے جو ہیں یہ کبھی محسوس نہیں ہونے دیتے آپس میں الجھا لیتے ہیں کبھی بچوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں اور ہمیں یہ خیال ہی نہیں رہتا کہ جب ہم بچے تھے تو ہمارے ساتھ کون کون سے لگ گئے تھے ذرہ ہم اپنے ارد گرد دیکھیں کوئی نظر آتا ہے۔ بہت کم۔ دنیا ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔ جنہوں نے ہمیں گود میں کھلایا وہ کہاں ہیں جو ہمیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے وہ کہاں ہیں جو ہمارے ساتھ کھیلا کرتے تھے وہ کہاں ہیں آخر دم تک نہ رہے۔

اگر اللہ کریم نے پھر سے رمضان المبارک کا مبارک مہینہ نصیب فرمایا ہے تو آؤ ساری زندگی کی کمی پوری کر لیں۔ گذشتہ پچاس سال کی کمی اور کوتاہیوں اور گناہ ایک ہی لمحے میں لا کر یہاں ڈھیر کر دو اور سب سے جان چھڑاؤ۔ ساری دنیا کو اس وجود کی سلامتی کا فکر کھائے جا رہا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں یہ وجود ضائع نہیں ہو گا۔ اسے اگر مٹی کھا گئی درندے کھا گئے۔ دریاؤں میں چلا گیا مچھلیاں کھا گئیں آگ میں جلا دیا گیا کہیں بھی گیا اس کا ایک ایک ذرہ پھر سے لا کر جسم سلامت کر دیا جائے گا۔ لیکن جب یہ سلامت ہو گا اس کے پلے کیا ہو گا۔ دیکھنا تو اس بات کو ہے کہ جس کی آپ فکر کرتے ہیں یہ تو ہمارے فکر کے بغیر پھر سے زندہ ہو جائے گا۔ لیکن جب اس کی آنکھ کھلے گی تو کیا یہ اللہ کریم کے سامنے پھر سے کھڑا ہو سکے گا۔ یہ آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے گا جمال باری کی طرف تو حضور فرماتے میدان حشر میں اللہ کے بندے اس طرح اللہ کو دیکھیں گے جس طرح تم چاند کو دیکھتے ہو یعنی روبرو جمال باری کو پائیں گے۔ تو ہمارا یہ وجود جب یکجا ہو گا تو کیا یہ آنکھ اٹھانے کے قابل ہو گا۔ کیا اسے کوئی اس قدر قریب کوئی کھڑا ہونے دے گا تو اس کی شرط کیا ہے صرف یہ کہ اپنی زندگی میں ہم اللہ کریم کو اپنے قریب محسوس کریں۔ اس زندگی میں ہم اس کو اپنے قریب جگہ دیں اور اگر اس کی عظمت اس کا جمال ہماری زندگی کے قریب نہیں ہے۔ تو ہمارا وجود اس کی رحمت کے قریب نہیں ہے۔ کتنی سادہ سی بات ہے۔

یہ زندگی تھوڑی مختصر اور وقتی ہے۔ یہ رمضان المبارک محض رسم و رواج نہیں ہے محض فاقہ کشی مقصود نہیں ہے حضور رحمت العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کوئی تمہیں گالی دے تو اسے کہو یار میں روزے سے ہوں۔ فرمایا نگاہوں کو بے حیائی سے کانوں کو برا سننے سے زبان کو برا کہنے سے روک دیں۔ اور اگر کوئی شخص جھوٹ اور یا وہ گوئی سے نہیں رک سکتا تو حضور فرماتے ہیں کہ اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے کہ وہ بھوکا پیاسا مرتا رہے یعنی صرف بھوک اور پیاس مقصد نہیں ہے مقصد یہ ہے کہ زمین پر رہتے ہوئے فرشتوں جیسے عادات و خصائل اور اوصاف و کمال حاصل کرے اور اس بات کو یقین کے ساتھ محسوس کرے **وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ** کہ حیات زندگی اور شاہ رگ سے بھی قریب تر ہے میرا رب کریم میری یہ بات کو سنتا ہے میری ہر حالت کو جانتا ہے۔ اگلے دن ایک آدمی کا خط آیا دیکھو کیسے کیسے اللہ کے بندے اس دنیا میں موجود ہیں میں نے ویسے ہی جملہ لکھ دیا خط لکھتے ہوئے کہ بھئی میرے لئے بھی دعا کیا کریں۔ آدمی عادتاً لکھ دیتا ہے۔ اور لکھنا اور کہنا چاہئے۔ مسلمان ہر وقت دوسروں کی دعاؤں سے متمتع ہوتا رہے تو یہ بہت مفت کا خزانہ ہے اسے معمولی نہ سمجھنا چاہئے مسلمان کے پاس سب سے بڑا ہتھیار دعا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو دعا کے لئے کہتے رہنا چاہئے۔ میری عادت ہے لکھ دیتا ہوں اس نے مجھے لکھا کہ تمہارے لئے میں دعا کروں گا۔ میں تو اپنے لئے بھی نہیں

کرتا میں نے کبھی دعا نہیں مانگی میں جب نماز سے فارغ ہو جاتا ہوں تو درود شریف پڑھ کر اٹھ جاتا ہوں اس لئے کہ اللہ کریم روبرو ہوتے ہیں وہ میرے کہنے سے زیادہ جانتے ہیں مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حالانکہ دعا کرنا بہت بڑی عبادت ہے لیکن کسی کی یہ کیفیت بھی اپنی جگہ موجود ہے اور یہ لاکھوں دعاؤں کا نچوڑ ہے کہ کوئی سمجھتا ہے کہ جو میں مانگنا چاہتا ہوں وہ تو تو پہلے جانتا ہے وہ کتنا قریب محسوس کرتا ہے رب کریم کو اپنے حالات سے اپنے خیالات سے اپنی عبادات سے کیسے کیسے لوگ ہیں۔

میں اگر کہوں کہ میں دعا نہیں مانگتا میں گنہگار ہو جاؤں گا لیکن میں اس شخص کو نہیں کہتا کہ تم گنہگار ہو جاؤ گے ہر شخص کا اپنا ایک حال ہوتا ہے اور ان کا اللہ کریم کے ساتھ حال ایسا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ خدا میرے پاس موجود ہے میری حالت سے واقف ہے پھر میں اسے کیا بتانا شروع کر دوں۔ میں نے کہا بھئی تم جیت گئے اور ہم مفت میں ٹکریں مار مار کر فقہاء اور مولانا بنے بیٹھے ہیں۔ دیکھو کیسا عجیب آدمی ہے کتنا قرب ہے اس کے دل کو اللہ کریم کی ذات کے ساتھ کہ وہ یہ جانتا ہے کہ جو میں مانگنا چاہتا ہوں وہ بھی مجھ سے پہلے جانتا ہے میں کیا مانگوں گا۔ اور پھر جو وہ دینا چاہتا ہے وہ مجھے منظور ہے میں اسے بدلنا نہیں چاہتا۔

لوگو! بڑا لمبا عرصہ ہے سال کیا خبر پچھلے رمضان میں کتنے لوگ ساتھ تھے جو اس رمضان میں نہیں ہیں اگلے رمضان میں کتنے ایسے ہونگے جو ہمیں یاد کر رہے ہوں گے۔ اللہ کریم نے جب پھر سے یہ موقع عطا فرمایا ہے تو رحمتوں اور بخششوں کو لوٹنے اور لٹوانے کا موسم ہے۔ اپنے آپ کو رب جلیل کے سامنے کر لو۔ اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھو اپنے قریب محسوس کرو اور اس کی بخششوں اور اس کی نعمتوں کو سمیٹ لو کہ یہی تخلیق انسانی کا مقصد ہے ورنہ یہ سب بچوں کا کھیل ہے۔ مولانا روم نے کہا ہے۔

خلق طفل اند بجز مرد خدا

تمام لوگ بچوں کی طرح کھیل رہے ہیں جیسے کوئی چور بنتا ہے کوئی سپاہی بنتا ہے جب بلاوا آتا ہے گھر سے تو سب چھوڑ چھاڑ کر گھر کو دوڑتے ہیں فرمایا دنیا میں سارے نابالغ بچے ہیں اسی طرح کھیل میں لگے ہوئے ہیں سوائے اللہ کے بندوں کے فرمایا جو خواہشات سے نہیں رک سکتا اسے بالغ نہیں کہنا چاہئے۔ بالغ وہ ہے جسے خواہشات مجبور کر کے اللہ کی بارگاہ سے پرے نہ کھینچ سکیں وہ بالغ ہے اور جو خواہشات کے پیچھے دوڑتا ہے جیسے بچے کھلونوں کے پیچھے دوڑتے ہیں وہ نابالغ ہے۔

اللہ کریم ہم سب کے گناہ معاف فرمائے اور رمضان کی نعمتوں اور برکتوں سے ہمارا دامن بھر دے تاکہ ہم اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو نیکی دے کر جائیں آگے چلے جانے والوں کا اچھا وارث بنیں ان کے لئے شرمندگی کا سبب نہ بنیں۔ (۸۷-۴-۲۴)

اخذِ فیض کا طریقہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیض لینا، ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ باقی رہا یہ فیض کس طرح حاصل کرتے ہیں؟ ذات سے یا اہلِ قبور سے۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ یہ وہ پیالہ نہیں، کہ بغیر نوش کیے اس کا ذائقہ حاصل ہو۔ جس کو نوش کر کے ذائقہ یا لذت حاصل کرنی مقصود ہو، وہ کسی کامل واکمل کا دامن مضبوطی سے پکڑے اور کچھ وقت لگائے۔ بشرائط سلوک کے مطابق عمل کرے۔ پھر خود ظاہر ہو جائے گا۔

(حضرت مولانا اللہ یار خان رح)

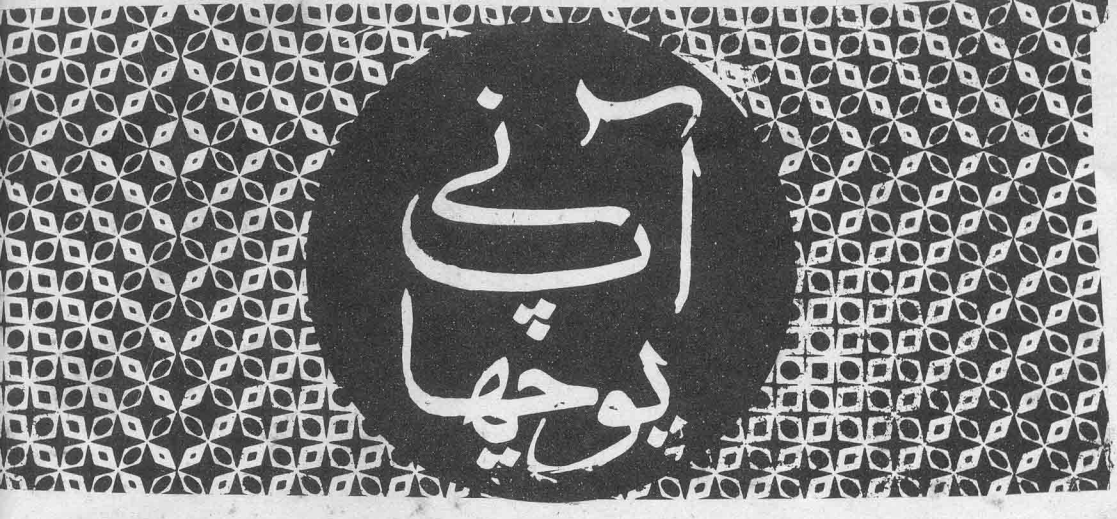

سوال ۱۔ کیا ایک شخص کی روحانی بیعت ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ذمہ حقوق العباد بہت زیادہ ہوں۔ نیز اس کو حقوق العباد ادا کرنے چاہئیں یا آخرت کی معافی کی امید ہے؟

جواب۔ انسان کے ذمے دو ہی باتیں ہیں جو پوری زندگی کا حاصل ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ اللہ کے حقوق میں بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے نہ ذات میں نہ صفات میں اگر شریک صادر ہو جائے اور آدمی بغیر توبہ کئے مر جائے تو اس کے لئے معافی کی گنجائش نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ اس کا فیصلہ ہو گیا کہ کوئی جو شریک کرے گا اللہ کریم اسے معاف نہیں کریں گے۔ **وَ یَغْفِرُ مَا یَشَآءُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ** شرک کے علاوہ دنیا کا کوئی بھی گناہ کوئی بھی جرم ہو وہ چاہے تو معاف کر دے۔ اللہ نے اس کی گنجائش رکھی ہے کوئی بھی گناہ ہو اللہ چاہے تو وہ معاف کر سکتا ہے لیکن شرک کے لئے اس نے فیصلہ دے دیا۔ یہ نہیں کہ اللہ کو کوئی مجبوری ہے۔ اگر وہ شرک پر بھی معاف کر دے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا تھا لیکن اس نے یہ فیصلہ دے دیا کہ **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ**۔ کوئی بھی جو اس سے شرک کرے گا اسے وہ معاف نہیں کرے گا۔ شرک کی بنیادی صورت تو یہ ہے کہ اس کی ذات میں کسی کو شریک سمجھا جائے یا جیسے باقی بت پرست قوموں میں یا بت پرست مذاہب میں یا آتش پرست یا ستارہ پرست یا سورج پرست اللہ کے علاوہ کسی کو بھی معبود بنانے والے یا جیسے ایرانیوں کا عقیدہ تھا کہ یزداں اور اہرمن دو خدا ہیں یا جس طرح موجودہ عیسائیت کا عقیدہ ہے کہ تین خدا ہیں ایک میں تین اور تین میں ایک تو

GOD MARY AND HOLY GHOST

تین ہیں تین میں ایک ہے ایک میں تین۔ یہ جتنی اس کی ذات میں تقسیم ہے یہ صریح واضح اور صاف شرک ہے۔ دوسرا شرک یہ ہوتا ہے کہ عبادات میں کسی کو شریک کیا جائے یہ بھی اتنا ہی بڑا شرک ہے۔ عبادات میں شرک یہ ہوتا ہے کہ آپ کسی کے سامنے ایسی وضع اختیار کریں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ آپ نے نفع کی امید اس سے وابستہ کر دی ہے یا اس سے دفع مضرت چاہتے ہیں یعنی اس کی ناراضگی سے بچنا چاہتے ہیں۔ یہ حق بھی صرف اللہ کا ہے اگر کسی بھی ہستی کو اللہ کا حکم بجا لانے پر آپ سے ناراض ہونے کا اندیشہ ہے تو وہ ناراض ہو جائے لیکن اللہ کا حکم بجا لایا جائے گا لیکن اگر ہم نے اللہ کا حکم چھوڑ دیا کہ یہ خفا نہ ہو تو یہ ویسے شرک بن جائے گا۔ عبادت کہتے ہیں تذلل عاجزی اور نیاز مندی نفع حاصل کرنے کی غرض سے یا اس کی ناراضگی اور نقصان سے بچنے کی غرض سے جو کام کیا جاتا ہے اس میں صرف نماز روزہ ہی عبادت نہیں ہر وہ کام جو

اس امید پہ کیا جائے وہ اس طرف لے جاتا ہے۔ اگر اللہ کے ساتھ کوئی شرک نہ کرے اسے واحد و لا شریک مانے' اپنا نافع' اپنے نفع و نقصان کا' زندگی موت کا مالک بھی اس کو مانے۔ اس کے باوجود اس کی عبادت نہیں کرتا۔ حلال حرام کی پرواہ نہیں کرتا۔ جائز ناجائز کی پرواہ نہیں کرتا تو یہ سارے گناہ تو ہیں لیکن ناقابل معافی نہیں ہیں قابل معافی ہیں اگر اللہ چاہے تو معاف کر دے اس امید پر یہ گناہ نہیں کئے جا سکتے کہ ضرور معاف کر دے گا یا یہ کہ کسی کو علم نہیں جہاں علماء تشریح فرماتے ہیں گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی۔ چھوٹا گناہ اور بڑا گناہ تو اس میں شریک' پھر اس کے بعد زنا' پھر والدین کی نافرمانی' پھر سود کھانا' اس طرح وہ ایک فہرست گنتے ہیں کہ یہ گناہ کبیرہ ہیں اور ان کے علاوہ جو گناہ ہیں وہ صغیرہ ہیں لیکن آخر میں ایک بڑا خوبصورت جملہ جو علماء نے اس میں اضافہ فرمایا ہے وہ بہت قیمتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ گناہ چھوٹے سے چھوٹا بھی ہو تو دیکھنا یہ چاہئے کہ نافرمانی کس کی ہے تو اس اعتبار سے وہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے یعنی اگر کوئی چھوٹا گناہ بھی بندہ کرتا ہے تو نافرمانی تو رب جلیل کی کر رہا ہے تو اس اعتبار سے اس میں بھی اگر پکڑا جائے تو اس کا بچنا مشکل ہو گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **حساب یسیرا** حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حساب یسیر کیا ہو گا جب حساب ہو گا تو آسان حساب سے کیا مطلب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حساب یسیر یہ ہو گا کہ اس پر سوال ہی نہ کیا جائے کہ تو نے یہ جرم کیوں کیا اگر سوال ہی نہ ہوا بار گاہ الوہیت سے تو بندہ بچ گیا لیکن جس کسی پر یہ سوال ہو گیا کہ تو نے یہ جرم کیوں کیا اس کے پاس کوئی جواز نہیں ہو گا اور یقیناً" وہ اس جرم کی سزا بھگتے گا۔

دوسری بات کہ شرک اور گناہ یا جرم میں بہت بڑا فرق ہے کہ گناہوں کی اگر کسی کو معافی نہ ملے شفاعت سے یا بخشش سے یا کسی بھی طرح تو گناہوں کی ایک محدود وقت تک سزا ہو گی اگر کسی نے شرک نہیں کیا کفر نہیں کیا اس کا ایمان سلامت ہے تو اسے رسوا نہیں کیا جائے گا اس کی جو سزا ہے اس میں ذلت کا تصور نہیں ہو گا ذلت کا پہلو نہیں ہو گا کہ دوسرے لوگوں کے سامنے رسوا کیا جائے یا اسے ایک کافر کی طرح کی سزا دی جائے یا اس کی سزا ہمیشہ رہے اس میں یہ نہیں ہو گی اگر کسی کو سزا بھگتنا پڑ گئی اللہ معاف ہی فرمائے تو الگ سے اس سزا کا اطلاق ایک مقررہ وقت تک ہو گا بالاخر نور ایمان اسے جہنم سے نکال کر جنت میں لے جائے گا۔

لیکن حقوق اللہ کی معافی جو ہے وہ بہت آسان ہے اللہ کریم بڑا کریم ہے معمولی سی بات پر معاف کر دے گا بغیر کسی وجہ کے۔ دوسری ذمہ داری ہے حقوق العباد کی۔ حقوق العباد میں رب جلیل نے فرمایا کہ حقوق العباد وہی لوگ معاف کریں گے جن کے حقوق ہیں۔ اپنے حقوق تو میں چھوڑ دونگا لیکن میرے بندوں کے جو حقوق ضائع ہوں گے ان کی معافی وہ بندہ دے گا اور حدیث شریف میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اللہ کریم کسی کو معاف کرنا چاہیں گے تو جس بندے کے حقوق ہوں گے اسے اتنا انعام دیں گے کہ وہ اس انعام کو لینے کے لئے ان حقوق سے دست بردار ہونے پر تیار ہو جائے گا تب رب کریم اس کی مرضی سے دوسرے کو معاف کریں گے زبردستی نہیں۔ تو یہ ذرہ ٹیڑھی کھیر ہو گئی مشکل ہو گئی اور ایک خاص وجہ کی ضرورت پیش آ گئی کہ رب کریم اس کے لئے اس بندے کو راضی کرے جو اس کا دامن پکڑے ہوئے ہے تو اس کے لئے بہت بڑی رحمت کی ضرورت پیش آ گئی ویسے بھی رحمت الٰہی کے بغیر تو چارہ نہیں لیکن یہ مشکل ہو گیا کام۔ ایک تیسری پارٹی درمیان میں آ گئی اس لئے حقوق العباد کو حتی الامکان ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اگر رہ بھی جائیں آدمی نہ ادا کر سکے تو مرتے دم تک اس کی خلوص کے ساتھ یہ کوشش ہو کہ میں ادا کروں۔ یہ صورت پھر رحمت الٰہی کو دعوت دیتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے پاس ایسی

صورت حال ہے کہ کسی کا قرض تھا' کسی کا ادھار تھا' کسی سے کوئی بدسلوکی کر بیٹھا پھر چاہتا ہے اس سے معافی مانگوں لیکن وہ ساری زندگی ملا ہی نہیں۔ پتہ ہی نہیں چلا بندہ کہاں گیا یا اس کے پاس ساری زندگی اتنے پیسے ہی نہیں بن سکے کہ وہ ادا کر دے۔ اس طرح کسی کے حقوق رہ گئے تو اگر وہ خلوص سے زندگی بھر کوشش کرتا رہا کہ ادا کر دوں گا تو اللہ کریم اس کی طرف سے ادا کر دیں گے لیکن اگر وہ اس بات پہ بے فکر ہو گیا کہ خیر ہے معاف ہو جائیں گے تو آسانی سے نہیں ہوں گے لہٰذا حقوق العباد کی معافی کی صورت یہ ہے کہ جو ہمارے ذمے ہے وہ ہم کوشش کرتے رہیں کہ اپنی زندگی میں انہیں ادا کر سکیں اگر کوئی اس میں رکاوٹ ہے یا افلاس ہے یا غربت ہے یا بیماری ہے یا معذوری ہے یا کوئی اور۔ بلکہ علماء فرماتے ہیں کسی شخص کا اگر آپ نے مال دینا تھا پیسے دینے تھے اس کا پتہ ہی نہیں ملتا وہ فوت ہو گیا مر گیا تو صدقہ کر کے اس کا ثواب ہی اسے پہنچا دو کوئی نہ کوئی صورت پیدا کرو اس طرح کسی کو اگر ایذا دی یا بدسلوکی کی تھی وہ مل نہیں رہا عدم پتہ ہے یا فوت ہو گیا ہے تو کم از کم اس کے لئے ایصال ثواب ہی کرتے رہو کچھ پڑھ کر ہی اسے بخشتے رہو کچھ تمہاری طرف سے اسے پہنچتا رہے کہ کچھ معافی کی صورت نکل جائے یعنی ناممکن صورتوں میں بھی کچھ صورتیں ایسی ہیں کہ جو رحمت الٰہی کو پانے کے لئے اختیار کی جانی چاہیں ان کوششوں اور اس خلوص اور اس نیت کے باوجود اگر کسی کے ذمے حقوق العباد رہ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کریم اس کی مدد فرمائے گا۔ بندہ ہے محتاج ہے مقدور بھر لگا رہا نہیں کر سکا لیکن کھا کر انہیں ڈکار مار جانا جو ہے یہ صحیح نہیں۔ کسی بھی اس امید پہ کہ میں ذکر زیادہ کرتا ہوں یا میں نفل زیادہ پڑھتا ہوں یا میں تلاوت زیادہ کرتا ہوں تو میں دوسروں کے حقوق کھا جاؤں گا یہ علمائے یہود کا گمراہی کے عہد میں عقیدہ تھا کہ ہم نیک لوگ ہیں ہم عبادت کرتے ہیں تو عربوں کا جو مال ہے کھا جاؤ۔

لَیْسَ عَلَیْنَا فی الامیین سبیل۔ قرآن حکیم میں ان کا عقیدہ بیان ہوا ہے کہ وہ کہتے تھے ان انپڑھوں کے بارے ہم سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا یہ بدکار لوگ ہیں مشرک ہیں اور شرابی ہیں زانی ہیں فاسق فاجر ہیں ڈاکو ہیں لٹیرے ہیں جاہل ہیں انہیں آتا جاتا کچھ نہیں ان کا مال ملے تو کھا جاؤ۔ اس کا ترجمہ ہمارے مسلمانوں نے کیا ہے کہ مال موذی نصیب غازی کہ اچھے بندے بروں کا مال کھا جائیں لیکن یہ عقیدہ یہود کا ہے برا آدمی اگر برائی کرتا ہے تو اچھے آدمی کو برائی نہیں کرنی چاہئے ورنہ وہ بھی برا ہی ہو جائے گا یعنی برائی کا جواب برائی سے دینے سے برائی ختم نہیں ہوتی بلکہ برائی کا جواب بھلائی سے دینے سے بہتری کی صورت پیدا ہوتی ہے اور بھلے آدمی کو بھلائی کرنی چاہئے وہ بابے غالب نے کہا تھا کہ

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

یعنی برا آدمی اگر برائی سے باز نہیں آتا تو بھلا آدمی بھلائی کیوں چھوڑ دے۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ جس کے ذمے حقوق العباد ہیں کیا اس کی بیعت روحانی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ تو بیعت روحانی یا مراقبات یہ عبادات ہی کا درجہ رکھتے ہیں نوافل سے بہتر عبادت کا درجہ رکھتے ہیں تو جس طرح اس کے فرائض ادا ہو جاتے ہیں جس طرح اس کے نوافل ادا ہو جاتے ہیں جس طرح وہ تسبیحات پڑھ سکتا ہے جس طرح وہ تلاوت کر سکتا ہے اسی طرح یہ نعمت بھی حاصل کر سکتا ہے لیکن یہ نعمت حقوق کا بدل نہیں بنتی شاید اس سے پھر زیادہ سختی سے پوچھا جائے کہ تم بھی کھا گئے یعنی دوسروں کی نسبت ممکن ہے اس سے جو تفتیش ہو یا پڑتال ہو وہ شاید زیادہ سخت ہو کہ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود تم نے بھی پرواہ نہیں تو اس لئے یہ منازل تو حاصل کئے جا سکتے ہیں لیکن یہ اس کا بدل نہیں ہو سکتے بلکہ صاحب حال آدمی تو دوسروں کی نسبت زیادہ خلوص سے یا کم از کم ان کے لئے

دعائیں بھی کرتا رہے اپنی کوشش جاری رکھے مرتے دم تک جو کچھ ہو سکے وہ ضرور کرے۔ ہاں اگر آدمی سے بات بڑھ جائے اور اس کے دائرہ امکان سے نکل جائے تو پھر اللہ کریم معاف کرنے والا ہے اس کی رحمت سے نا امید ہونے کی تو کوئی بات نہیں اور ہر حال میں وہ قادر ہے کہ اللہ شرک اور کفر سے پناہ میں رکھے تو کچھ نہ کچھ رحمت الٰہی جو ہے کر دے گی۔

سوال ۲۔ کیا اہل خانہ کو لطائف کرانے کی صرف اجازت ہے یا اس سے آگے مراقبات کرانے کی بھی اجازت ہے۔

جواب۔ مراقبات ثلاثہ تو ہر وہ ساتھی' مرد ہو یا خاتون جسے میرے ساتھ کہیں ذکر کرنے کا موقعہ نصیب ہو جائے وہ مراقبات ثلاثہ کرتا رہے تو اسے ہو جائیں گے اگر ایسی صورت نہ ہو تو آپ کرائیں تو آپ صرف لطائف ہی کرائیں گے یا کوئی صاحب مجاز ہو اور وہ سمجھے اور آپ سمجھیں کہ استعداد ہے تو وہ صاحب مجاز مراقبات ثلاثہ کرا دے تو کرا سکتا ہے۔ یہ پھر اس کی صوابدید پہ ہو گا کہ وہ سمجھتا ہے کہ کرائے یا نہ کرائے جہاں تک لطائف کا تعلق ہے تو گھر والوں کو لطائف کرانے کی ہر اس ساتھی کو اجازت ہے جسے صرف ایک ذکر نصیب ہو جائے۔ لطائف اس کے ساتھ بیٹھنے سے بھی منور ہو جائیں گے انشا اللہ۔

سوال ۳۔ توجہ کیسے کی جائے؟

جواب۔ توجہ میں آپ کو کسی کے لطیفے پر ضرب نہیں لگانا آپ اپنا ذکر کرتے رہیں لیکن جس طرح امام نماز پڑھاتے وقت نیت کر لیتا ہے اس کا ارادہ ہوتا ہے کہ جو پیچھے مقتدی کھڑے ہیں میں انہیں نماز پڑھا رہا ہوں تو ان سب کی نماز ادا ہو جاتی ہے اس طرح ذکر کرنے والا جب یہ ارادہ کر لیتا ہے کہ میں دو بندوں کو دس کو یا جو بھی ساتھ بیٹھ گئے انہیں ذکر کرا رہا ہوں تو جو ذکر وہ کرتا ہے اپنے لطیفے پر اس کے انوارات منعکس ہوتے رہتے ہیں ان کے لطائف پر۔ اگر صاحب مجاز ہو تو اس قوت سے ہوتے رہتے ہیں اگر عام ساتھی ہو تو اس کی اپنی طاقت کے مطابق لیکن جب وہ ارادہ کر لیتا ہے کہ میں انہیں ذکر کرا رہا ہوں تو یہ من جانب اللہ ایک ایسا نظام ہے کہ اس کی نیت اور اس کے ارادے کے ساتھ وہ ان کو اس طرف پہنچاتا رہتا ہے۔ اب جو لوگ پوری دنیا میں ذکر کرتے ہیں تو ہمیں تو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ کس ملک میں اب دن ہے اور کس میں رات ہے اور کہاں اب تہجد کا ذکر ہو رہا ہے اور کہاں مغرب کا اور کہاں دن کا اور کہاں سحری کا یا کون ساری رات کرتا ہے اور کون سارا دن کرتا ہے اس کے باوجود وہ جب ذکر کرتے ہیں تو انہیں وہ ساری برکات ساری توجہات پہنچتی رہتی ہیں ہمیں تو خبر بھی نہیں ہوتی کبھی ہم سو رہے ہوتے ہیں کبھی ہم سو کر کر رہے ہوتے ہیں کبھی ہم کھانا کھا رہے ہوتے ہیں کبھی ہم باہر پھر رہے ہوتے ہیں کبھی کسی سے بات کر رہے ہوتے ہیں تو وہ جو نظام ہے رب جلیل کا وہ ان تک ان برکات کو پہنچاتا رہتا ہے اور بعض اوقات اتنی شدید ہوتی ہیں کہ انہیں ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے ذکر کرانے والا ان کے ساتھ بیٹھ کر ذکر کرا رہا ہے۔ ہوتا صرف یہ ہے کہ وہ جو رابطہ انوارات کا قلب سے اس قلب تک بنتا ہے وہ اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ اس میں وہ عکس یا آدمی نظر آنے لگ جاتا ہے جیسے آپ بہت دور سے کسی طاقتور دوربین کے ذریعے کسی کو قریب دیکھ رہے ہوں کئی دفعہ باہر سے خطوط آتے ہیں کہ ہم نے دیکھا آپ ہمیں ذکر کرا رہے ہیں ہم نے کہا بھئی ہمیں تو خبر بھی نہیں من جانب اللہ جو بن جاتا ہے ایک تسلسل انوارات کا تو اس میں پھر وہ سمجھ آنے لگتی ہے کہ شاید بندہ ہی ساتھ بیٹھا ہے حالانکہ بندے کو خبر بھی نہیں ہوتی چونکہ اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ اس میں منعکس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح جو ساتھی بھی ذکر کرائے وہ بے شک اپنے ذکر میں لگا رہے اس کی توجہ اتنی کافی ہے کہ وہ ذکر کرا رہا ہے تو یہ نظام ہے اللہ کریم کا اور رب جلیل اسے پہنچاتے رہتے ہیں اور جتنی جس قلب میں عقیدت یا احترام ہوتا ہے اتنا وہ حاصل کرتا رہتا ہے۔

یہ تھری وے سسٹم ہوتا ہے اس کا تین طرح سے

رابطہ رہتا ہے ان تینوں میں سے کوئی ایک تار بھی کٹ جائے تو اس کا سرکٹ کٹ جاتا ہے نامکمل ہوجاتا ہے۔ سب سے پہلی ہوتی ہے عقیدت۔ جو شیخ کے ساتھ یا صاحب مجاز کے ساتھ یا جو اسے ذکر کرا رہا ہے اس کے ساتھ عقیدت نہ ہو تو اس کا رابطہ فیض کا نہیں ہوتا کوئی آدمی اگر ساتھ بیٹھ جائے جی میں تو نہیں سمجھتا کہ یہ آدمی صحیح ہے لیکن چلو دو دن ذکر کر کے دیکھتے ہیں کیا فائدہ ہوتا ہے؟ نہیں ہو گا فائدہ۔ اس لئے کہ وہ رابطہ ہی اس کے قلب کا اس کے قلب سے نہیں ہو گا۔ عقیدت کے ساتھ اطاعت شرط ہے دوسرا جو مضبوط رشتہ ہے وہ اطاعت کا ہے اور تیسرا رشتہ ہے ادب کا۔ ادب میں یہ دنیاوی رسومات ضروری نہیں۔ ادب کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات کو پورے خلوص کے ساتھ اپنایا جائے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا ادب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پورے خلوص اور پورے درد کے ساتھ اپنایا جائے۔ اب اگر ایک آدمی ادب میں نئی نئی رسومات ادا کرتا ہے لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کرتا تو حکم کو چھوڑ دینا سب سے بڑی بے ادبی ہے۔ جب کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم چھوڑ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کھڑا ہو گیا نام نامی پر انگوٹھے چوم لئے یا جھک گیا یا نام نامی آیا بڑے عجز و نیاز کا اظہار کرنے لگا یا زور زور سے نعتیں پڑھ دیں یا بڑی تعریف کر دی تو وہ ادب کے زمرے میں نہیں آئے گا۔ بلکہ اس سے وہ بے ادبی بڑھ جائے گی جو عدم اطاعت میں ہے تو عقیدت اطاعت اور ادب یہ تھری وے سسٹم ہے۔ جتنی یہ تینوں باتیں مضبوط ہوں گی اس نمبر کے ساتھ۔ سب سے پہلا نمبر عقیدت کا ہے دوسرا اطاعت کا ہے اور تیسرا ادب کا۔ ادب گیا تو اطاعت کو خطرہ پڑ جائے گا اطاعت چھوٹے گی تو عقیدت خطرے میں آجائے گی۔ عقیدت چھوٹے گی تو رشتہ ختم ہو جائے گا۔ یہی حال اللہ کی عبادات میں ہوتا ہے۔ آپ اگر غور کریں تو یہ بات سامنے آ جاتی ہے جو علمائے حق نے لکھی ہے۔

کہ آدمی گناہ کرے خطا ہو جائے اور توبہ نصیب نہ ہو تو اس کا کم از کم اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ زائد عبادات ذکر اذکار یا تسبیحات یا تلاوت یا جو زائد عبادات فارغ اوقات میں کر لیا کرتا تھا ان کی توفیق سلب ہو جاتی ہے وہ چھوٹنے لگ جاتی ہیں پھر بھی اگر توبہ نہ کرے تو پھر جو نوافل ہمیشہ پڑھے جاتے ہیں ہر نماز میں یا تہجد پڑھتا تھا یا اوابین پڑھتا تھا یا اشراق پڑھتا تھا تو وہ اس سے رہنا شروع ہو جاتے ہیں چھوٹنے لگ جاتے ہیں اسے پھر بھی احساس نہ ہو تو پھر سنتوں پہ زد پڑتی ہے اور زندگی میں عام روزمرہ میں جو سنتیں ہیں یا عبادات میں نمازوں کے ساتھ جو اب بے شمار لوگوں کو دیکھیں گے فرائض پڑھتے ہیں سنتیں چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ یعنی ایک نمازی کا کیا کیا تصور ہے کہ نمازی نے وضو بھی کیا اہتمام بھی کیا وقت پر مسجد بھی آیا فرض ادا کئے سنتیں چھوڑ کر بھاگ گیا کیوں آخر؟ اس کا جی ہی نہیں کرتا پڑھنے کو وہ توفیق سلب ہو جاتی ہے اس پر بھی اگر توبہ نہ کرے تو پھر فرائض چلے جاتے ہیں کبھی ایک نماز پڑھ لی دو چھوڑ دیں کبھی دو پڑھ لیں تین چھوڑ دیں اس طرح۔ پھر بھی باز نہ آئے تو پھر عقیدے کو خطرہ ہوتا ہے کہ سرے سے ایمان ہی چلا جائے اور دنیا میں سب سے بڑی سزا جو کسی کو ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا عقیدہ خراب ہو جاتا ہے۔ تو علماء فرماتے ہیں کہ جس طرح فوجیوں کا ایک قاعدہ ہے کہ آخری حد پر جا کر لڑنا چاہئے اگر آپ دشمن کے لئے اپنی حدود چھوڑتے جائیں آپ کے پاس اگر تین چار پانچ قلعے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ جی کب تک پانچ قلعے توڑے گا چار کو چھوڑو ہم اندر پانچویں میں لڑیں گے تو جن کو آپ چھوڑ دیں گے انہیں توڑتے ہوئے انہیں بھی کوئی دیر نہیں لگے گی۔ لیکن اگر آپ پانچویں قلعے کی حفاظت کے لئے لڑیں گے جو ضرب آئے گی وہ بھی اس قلعے تک آئے گی اندر کے چار محفوظ رہیں گے اور اس پر اسے لڑنا پڑے گا اگر آپ فاتح ہو گئے تو وہ وہاں سے لوٹ جائے گا آپ کو اس کی مرمت کرنا

پڑے گی۔ اس طرح علمائے حق فرماتے ہیں کہ شیطان کے ساتھ مستحبات پر لڑنا چاہئے۔ مکروہات سے بچنا چاہئے مستحبات کی کوشش کرنا چاہئے ورنہ پھر نوافل پہ تو جان لڑانی چاہئے اور اگر نوافل بھی گئے اور زد سنتوں پر آ گئی تو پھر آپ فرض بھی نہیں بچا سکیں گے۔ پھر تو وہ قریب پہنچ گیا۔ پھر تو بات دشمن کے ہاتھ میں چلی گئی اور اگر فرائض بھی کسی کے گئے تو اب اس کے پاس کھونے کو صرف ایمان بچا ہے ایک آدمی جو فرائض بھی نہیں ادا کر سکتا تو اس کے پاس اب باقی کیا سرمایہ ہے صرف ایمان ہے جو کسی بھی موڑ پر کسی بھی لمحے اس کی لڑائی ایمان پر ہے اسے کتنی دیر بچائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ اس بے عملی کے نتیجے میں کتنے نئے نئے عقیدے پیدا ہو رہے ہیں جن کا اسلام میں کوئی تصور ہی نہیں۔ اس کی وجہ ہی یہ ہے کہ جب آدمی کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے تو وہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہوتا ہے اس کی ڈور جہاں اٹک گئی اسے جو بھی راستے میں مل گیا اس نے جو عقیدہ بتا دیا وہ اس کے ساتھ تکڑا ہو گیا چلو ٹھیک ہے یہ ایک پارٹی تو ہے ہم اس کے ساتھ ہیں۔ وہ خود تو چونکہ فری ہینڈ ہوتا ہے اس کا اپنا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہوتا تو اس طرح سے یہ بدعقیدگی کا فرض بڑھتا رہتا ہے۔ یہ سارا معاملہ ہی حقوق کی حفاظت کا ہے اور حقوق کی حفاظت میں حق ادا کرنا جو ہے وہ بنیادی بات ہے ہم حقوق کی حفاظت کو اس طرح لیتے ہیں کہ جو میرا حق بنتا ہے وہ میں لے لوں یہ حق کی حفاظت ہے تو جب آپ اپنا لینے پہ رہیں گے دوسرے کا دینے کی فکر نہیں کریں گے تو آپ کو اپنا ملے گا بھی نہیں۔ پھر جو کچھ آپ لیں گے وہ حق نہیں ہو گا پھر وہ ناحق ہو جائے گا دوسرے کے حقوق غصب کر کے جو فائدہ ہو گا تو وہ حق نہیں ہو گا پھر وہ ناحق ہو جائے گا۔ اس لئے حقوق کے معاملے میں حتی الامکان اللہ کریم توفیق بخشے تو اپنی پوری کوشش پورے خلوص کے ساتھ یہ کرتے رہنا چاہئے کہ میں ادا کروں۔

یا

اب یہ تصور کہ اگر کسی سے خطا ہو گئی کسی کے ذمے حقوق ہیں تو وہ مراقبات یا عبادات نہ کرے یہ صحیح نہیں اگر کوئی چیز میلی ہو گئی تو اسے صابن نہ لگایا جائے یہ علاج نہیں اسے اور زیادہ لگایا جائے۔ ایک ساتھی پوچھ رہا تھا کہ میں بڑا پریشان ہوں اور مجھ سے ذکر ہی چھوٹ گیا میں نے کہا عجیب بات ہے ایک آدمی کہتا ہے میں بڑا بیمار ہوں اور مجھ سے دوا ہی چھوٹ گئی یہ کون سی بیماری ہے۔ یعنی آپ پریشان ہیں تو اس میں آپ کو زیادہ رحمت الٰہی کی ضرورت ہے اللہ کی مدد کی زیادہ ضرورت ہے اللہ سے دعا کرنے کی زیادہ ضرورت ہے اور آپ کو زیادہ ذکر کی ضرورت ہے آپ کہتے ہیں مجھ سے ذکر چھوٹ گیا یہ کیا پریشانی ہے۔ کھانا نہیں چھوٹا اور ذکر چھوٹ گیا کمال ہے یہ پریشانی نہیں ہے یہ شیطانی وسوسہ ہے آپ ذکر جم کر کریں اور آنے والے خدشات کو اس کے سپرد کریں جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں محض احتمالات پر کہ میرا نقصان ہو جائے گا میرا یہ ہو جائے گا اس پر آپ پریشان ہو گئے ہوا کچھ بھی نہیں۔ یعنی ابھی تک ہوا کچھ نہیں اور امکانات پر اتنے پریشان ہو گئے ہو اور چھوڑا بھی تو وہ چیز چھوڑی جو اس سارے کے دفاع کے لئے ضروری تھی تو حقوق کو ادا کرنے کے لئے کمر بستہ رہنا چاہئے توفیق اللہ کریم کے پاس ہے آدمی کا ارادہ نیت خلوص اور اس کی عملی جو کوشش ہے جدوجہد ہے وہ ہونی چاہئے آگے اللہ کریم ہے۔

اللہ عابدین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور گناہ گاروں کو زندگی ہی میں مردہ بنا دیتا ہے۔

اس بات کا یقین رکھیے کہ آپ کے رزق میں آپ کا کوئی حصہ دار نہیں بن سکتا۔

خبر تو خیر الانامؐ لے لو

نبی اکرمؐ شفیع اعظم دکھے دلوں کا پیام لے لو
تمام دنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو

شکستہ کشتی ہے تیز دھارا نظر سے روپوش ہے کنارا
نہیں کوئی ناخدا ہمارا خبر تو عالی مقام لے لو

قدم قدم پہ ہے خوف رہزن زمین بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن تم ہی محبت سے کام لے لو

کبھی تقاضا وفا کا ہم سے کبھی مذاق جفا ہے ہم سے
تمام دنیا خفا ہے ہم سے خبر تو خیر الانامؐ لے لو

یہ کیسی منزل پہ آ گئے ہیں نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے
تم اپنے دامن میں آج آقاؐ تمام اپنے غلام لے لو

یہ دل میں ارماں ہے اپنے طیب مزار اقدس پہ جا کے اک دن
سناؤں انؐ کو میں حال دل کا کہوں میں ان سے سلام لے لو

قادری